ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
23 تا 29 مئی 2002ء

☆ کیا اب بھی وقت نہیں آیا...... (اداریہ)
☆ نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں (دین و دانش)
☆ دینی جماعتوں کے کرنے کا اصل کام (منبر و محراب)
☆ جنگ ہو گی یا نہیں؟ (تجزیہ)

ایک جانب بھارتی افواج ہماری سرحدوں پر کھڑی ہیں
اور بے تابی کے ساتھ حملے کے حکم کا انتظار کر رہی ہیں، اور
دوسری جانب ہماری حکومت اللہ اور رسولؐ کے ساتھ جنگ
کو جاری رکھنے کے لئے نت نئی چالیں سوچ رہی ہے!!

پاکستان کی دینی و مذہبی قیادت

ایڈووکیٹ جنرل پاکستان کے اس بیان کا سنجیدگی سے نوٹس لے کہ:
"اولاً امتناع سود کے ضمن میں نظر ثانی کی اپیل پر زور دیا جائے گا اور ایسے "علماء" کی آراء سے استفادہ کیا جائے گا جو بنک کے سود کو "ربا" نہیں سمجھتے اور ثانیاً بعض ایسے مسلم ممالک کی مثالوں سے راہنمائی حاصل کی جائے گی جہاں غیر سودی کے ساتھ ساتھ سودی بینکنگ بھی جاری ہے!"

اور حکومت سے پُر زور مطالبہ کرے کہ ۳۰۔ جون سے پہلے پہلے
سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدر آمد کو یقینی بنایا جائے!!

واضح رہے کہ اس موقع پر علماء و مشائخ اور دینی و مذہبی جماعتوں
کی خاموشی سے ان پر قرآنِ حکیم کے یہ الفاظ صادق آ جائیں گے کہ:

﴿لَوْ لَا یَنْھٰھُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِھِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِھِمُ السُّحْتَ﴾ (المائدہ: ٦٣)
یعنی "کیوں نہیں روکتے انہیں ان کے مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے!"

خادم اسلام و پاکستان **ڈاکٹر اسرار احمد** امیر تنظیم اسلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ج وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾ (آیت:۱۳۷)

''پس اگر وہ ایمان لے آئیں اس طور سے جس طور سے (اے مسلمانو) تم ایمان لائے ہو تب وہ ہدایت پر ہوں گے۔ اور اگر وہ پیٹھ موڑ لیں تو پھر وہ یقینی طور پر ضد میں مبتلا ہیں۔ پس (اے نبیؐ، مطمئن رہئے) ان کے مقابلے میں آپ کے لئے اللہ کافی ہوگا اور وہ سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔''

پہلے ذکر ہو چکا کہ کچھ ایسے لوگ بھی ایمان کے مدعی تھے جو اللہ اور یوم آخرت پر تو ایمان رکھتے تھے انبیاء کو بھی مانتے تھے مگر رسالتِ محمدیؐ کا انکار کرتے تھے۔ ایسے لوگ حقیقتاً مومن نہیں تھے کیونکہ کسی کے مسلمان ہونے کی پہلی شرط ہی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانا ہے۔ کوئی بڑے سے بڑا موحد ہو آخرت کو کتنا ہی ماننے والا ہو لیکن اگر وہ محمد ﷺ کو نہیں مانتا تو اس کا ایمان معتبر نہیں۔

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

یہودی کہتے تھے کہ ہمیں بھی مانو کہ ہم بھی مومن ہیں۔ ہم اللہ کو یوم آخرت کو اور تمام انبیاء کو مانتے ہیں صرف حضرت عیسیٰؑ اور محمد ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔ کچھ مسلمان بھی اس معاملے میں نرم گوشہ رکھتے تھے کہ یہ لوگ توحید کو تو مانتے ہیں اور اصل شے تو توحید ہے جیسے ہمارے ہاں بھی کہتے ہیں کہ رواداری ہونی چاہئے کچھ لچک ہونی چاہئے مگر یاد رکھئے کہ ایسی رواداری دین کے اندر نہیں کیونکہ جو حق ہے وہ حق ہے جو باطل ہے وہ باطل ہے۔ پس بتایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو اگر یہ ایمان لائیں اس طور سے جس طور سے تم ایمان لائے ہو کہ باطل کے ساتھ کسی طرح کا Compromise نہ ہو اور اللہ کے تمام پیغمبروں پر وہ ایمان رکھتے ہوں تب تو وہ ہدایت پر ہوں گے۔ اور اگر وہ حق کو پورا قبول نہ کریں یعنی روگردانی کریں تو سمجھ لیجئے کہ وہ صرف ضدم ضدا میں مبتلا اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں۔ آپ انہیں کتنا بھی خلوص و اخلاص کے ساتھ سمجھائیں مگر تکبر اور حسد کے باعث جو بغض و عناد ان کے اندر پیدا ہو چکا ہے اس کی وجہ سے وہ ہرگز ماننے والے نہیں۔

یہاں دراصل روئے سخن ان مسلمانوں کی طرف ہے جو یہود و منافقین کی چاپلوسانہ گفتگو سے متاثر ہو کر ان کے لئے نرم گوشہ رکھتے تھے۔ یہاں واضح کیا جا رہا ہے کہ ملت کا تشخص ہر طور قائم رہنا چاہئے اور اس علیحدہ تشخص کی پوری پوری حفاظت کی جانی چاہئے۔ آیت کے اگلے حصے میں واحد کے صیغے میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ مطمئن رہئے۔ اللہ یہود و نصاریٰ کی ان سب ریشہ دوانیوں اور دشمنیوں کے مقابلے میں تنہا آپ کی مدد کے لئے کافی ہے۔

کیا غم ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے

یہ اللہ پر ایمان اور توحید کا لازمی تقاضا ہے کہ انسان ہر طرح کے مشکل سے مشکل حالات میں بھی یہ خیال رکھے کہ اللہ اس کے ساتھ ہے۔ جسے یہ یقین حاصل ہو جائے تو پھر اسے کسی کی کوئی فکر نہیں۔

اس آیت کی ایک تاریخی اہمیت بھی ہے۔ جب بلوائیوں نے تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنیؓ کو شہید کیا تو ان کے خون کی چھینٹیں اس آیت پر پڑیں کیونکہ حضرت عثمانؓ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور مصحف کھلا پڑا تھا۔ وہ نسخہ آج بھی موجود ہے اور فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پر خون کا دھبہ نمایاں ہے۔

☆ ☆ ☆

فرمانِ نبوی — چوہدری رحمت اللہ بٹر

عادل حاکم کی فضیلت

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَقْرَبَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَشَدَّهُمْ عَذَابًا اِمَامٌ جَائِرٌ (رواہ الترمذی)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنے والا حاکم قیامت کے دن اللہ کو دوسرے سب لوگوں سے زیادہ محبوب اور پیارا ہوگا اور اس کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حاصل ہوگا اور (اس کے برعکس) وہ ارباب حکومت قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے جو ظلم کے ساتھ حکومت کرنے والے ہوں گے۔

انسانوں میں سے جس کے کاندھوں پر ذمہ داری کا بوجھ جتنا زیادہ ہوگا اس کا معاملہ اتنا ہی کٹھن ہوگا۔ اس لئے مشہور ہے کہ کوئی شخص جتنا زیادہ بااختیار ہوگا اتنا ہی اس کے بے راہ رو ہونے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں عدل و انصاف کرنے والا حاکم تو واقعی بہت بڑے رتبے کا اہل قرار پائے گا اور قیامت کے دن جن لوگوں کو اللہ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا ان میں بھی اولیت عادل حاکم کو ہی ہوگی۔ لیکن اگر حکمران عدل کرنا چھوڑ دے تو ظلم بھی انتہا کو پہنچے گا۔ اس لئے گرفت بھی سخت ہوگی۔

اگر حاکم کی نیت عدل کرنے کی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی مدد فرماتے ہیں اور جب اس کی نیت خراب ہو جائے تو پھر شیطان کا رفیق بن جائے گا اور وہ اسے جہنم پہنچا کر رہے گا۔ اس لئے محنت و لگن سے صحیح فیصلہ تک پہنچنے پر دوہرا اجر بھی ہے اور نیت نیک ہو لیکن فیصلہ کرنے میں غلطی ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہیں ہے بلکہ اکہرا اجر ہے۔

حافظ عاکف سعید

کیا اب بھی وقت نہیں آیا......

اس حقیقت کو جاننے اور سمجھنے کے لئے اب کسی گہری بصیرت باطنی یا ژرف نگاہی کی ضرورت نہیں ہے کہ پاکستان اس وقت نہ صرف یہ کہ عالمی طور پر نہایت گہری سازشوں کی زد میں ہے بلکہ ایک ایسے ٹریپ میں آ چکا ہے جس سے عزت وسلامتی کے ساتھ نکلنے کا بظاہر کوئی راستہ موجود نہیں ہے' سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی خصوصی تائید ہماری دستگیری فرمائے۔

موجودالوقت منظر نامہ یہ ہے کہ بھارت جو گزشتہ چھ ماہ سے اپنی پوری جنگی قوت کے ساتھ ہماری مشرقی سرحد پر براجمان ہے اور اس حوالے سے اربوں روپے کا خرچ ماہانہ برداشت کر رہا ہے' اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کی خاطر آخری قدم اٹھانے کے لئے پر تول رہا ہے۔ اس نے نہایت عیاری کے ساتھ عالمی رائے عامہ کو یہ باور کرانے میں کامیابی حاصل کر لی ہے کہ کشمیر کے اندر اور بھارت کے طول وعرض میں جو دہشت گردی اور تخریب کاری کے واقعات ہو رہے ہیں ان کا ذمہ دار پاکستان ہے جو دہشت گرد تنظیموں کی سرپرستی سے تاحال باز نہیں آیا۔ لہٰذا اب پاکستان کو سبق سکھائے بغیر چارہ کار نہیں۔ حالانکہ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ تخریب کاری ودہشت گردی کے جن واقعات کے حوالے سے بھارت واویلا مچا رہا ہے ان کی حیثیت بھارتی ایجنسیوں کے اپنے ترتیب دیئے ہوئے ڈراموں سے زیادہ نہیں۔ لیکن عالمی رائے عامہ چونکہ بوجوہ اسلام اور مسلمان دشمنی کے بخار کی لپیٹ میں ہے لہٰذا اس کی یرقان زدہ نگاہیں وہی کچھ دیکھنا اور سننا پسند کرتی ہیں جو بھارت انہیں دکھانا اور پڑھانا چاہتا ہے۔ پاکستان لاکھ اپنی صفائی پیش کرے اور اپنے مؤقف کے حق میں دلائل کے خواہ کیسے ہی انبار لگائے' کوئی اس کی بات سننے کو تیار نہیں ——— بھارتی حکومت کی کامیاب حکمت عملی کے باعث نہ صرف یہ کہ عالمی رائے عامہ اس کے حق میں ہموار ہو چکی ہے بلکہ اندرون ملک اپوزیشن سمیت تمام طبقات بھی پاکستان کے خلاف اقدام میں بھارتی حکومت کے ہمنوا ہیں۔

امریکہ' جس کی خوشنودی کے حصول کی خاطر صدر پرویز مشرف نے نہ صرف اپنی افغان پالیسی کو بلکہ افغان بھائیوں اور بالخصوص امارتِ اسلامی افغانستان کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا گوارا کیا' آج ہماری ساری ''وفاؤں'' کو بھلا کر پوری ڈھٹائی کے ساتھ ہمارے ازلی دشمن بھارت کی بھرپور پشت پناہی کر رہا ہے۔ چنانچہ اب وہ تمام اندیشے اور خدشات ایک حقیقت بن کر ہماری نگاہوں کے سامنے آ گئے ہیں جن کا اظہار فراست مومنانہ رکھنے والے دینی رہنماؤں نے ۱۱ ستمبر کے بعد حکومتی پالیسی سے اختلاف کرتے ہوئے کیا تھا کہ پاکستان کے جن مفادات کے تحفظ کی خاطر صدر مشرف نے اسلام کے دشمنوں کا اتحادی بننا اور اللہ کے غضب کو دعوت دینا قبول کیا ہے' وہ آج نہیں تو کل' اسی امریکہ کے ہاتھوں پامال ہو کر رہیں گے' جس کی خاطر ہم نے اپنی مسلمانی کو داؤ پر لگایا ہے ——— چنانچہ آج کون نہیں جانتا کہ بھارت کا یہ جنگی دباؤ اور پاکستان کے خلاف اس کی تمام تر سازشیں نہ صرف امریکہ کے ایماء پر ہو رہی ہیں بلکہ یہ سب کچھ فی الحقیقت امریکہ' اسرائیل اور بھارت پر مشتمل شیطانی مثلث کی مشترکہ سازشوں اور منصوبہ بندی کا شاخسانہ ہے' جس کا اصل ہدف افغانستان میں امارت اسلامی کے خاتمے کے بعد پاکستان کے جہادی گروپوں پر پابندی' جہاد کشمیر کا خاتمہ' دینی جماعتوں کو غیر موثر بنانے کی خاطر جہادی روح کو کچلنے کا سامان کرنا' اسلامی بنیاد پرستی کو یہاں سے کھرچ کر مادر پدر آزاد معاشرت اور سیکولرازم کا فروغ اور آخری لیکن نہایت اہم ہدف یہ کہ پاکستان کو ایٹمی صلاحیت سے محروم کرنا اور اس کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کرنا ہے۔

مشرف حکومت کے ذریعے اپنے اکثر اہداف بہت حد تک کامیابی کے ساتھ حاصل کرنے کے بعد اس شیطانی مثلث کا اصل ہدف اب پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ یا ان کی تباہی ہے' جس کے لئے سٹیج بڑی عیاری اور کامیابی کے ساتھ سیٹ کیا گیا ہے۔ اسلام دشمن مثلث کی حکمت عملی کچھ یوں محسوس ہوتی ہے کہ کشمیر میں دہشت گردوں کے خاتمے کے بہانے بھارت آزاد کشمیر پر حملہ کرے گا جس کے ردعمل کے طور پر پاکستان جوابی کارروائی پر مجبور ہوگا' لیکن اس سے قبل کہ پاکستان ایٹمی حملے کے بارے میں سوچے' امریکہ اس بہانے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو ناکارہ بنا دے گا کہ خطے میں ایٹمی جنگ کو روکنے کے لئے یہ اقدام ناگزیر تھا۔ واضح رہے کہ امریکہ نے چھ ماہ قبل اپنی اس پالیسی کا اعلان کر دیا تھا کہ اگر پاکستان کے اندر مشرف حکومت کے خلاف کوئی زوردار تحریک چلی تو اس اندیشے کے تحت کہ یہاں کی ایٹمی صلاحیت بنیاد پرستوں اور ''دہشت گردوں'' کے ہاتھ نہ لگ جائے' امریکہ فوری طور پر پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کر لے گا۔ اس کارروائی کے لئے ضروری انتظام امریکہ نے چھ ماہ پہلے سے کر رکھا ہے ——— پاک بھارت متوقع جنگ اگر پورے خطے میں پھیل گئی تو جو تباہی وہلاکت برپا ہوگی اس کے تصور سے بھی لرزہ طاری ہوتا ہے' کہ ہندو جنونیوں کے اسلام دشمن انتقامی جذبات کا اندازہ احمد آباد' گجرات کے حالیہ فسادات سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے ——— لیکن اگر یہ جنگ توقع کے مطابق کشمیر تک محدود رہی تب بھی خاکم بدہن اس بات کا شدید اندیشہ موجود ہے کہ پاکستان' آزاد کشمیر اور اپنی ایٹمی تنصیبات دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ ہم اپنی ''حکیمانہ پالیسی'' کی بدولت سو پیاز تو کھا چکے ہیں' قوی اندیشہ ہے کہ سو جوتے بھی ہمارا مقدر بننے والے ہیں۔ اللہ کے غضب کو دعوت دینے' اس کے دین سے غداری کرنے اور اس کے احکام کو پاؤں تلے روندنے کا بھیانک انجام شاید اب ہمارے سروں پر مسلط ہو چکا ہے۔

تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن ۔۔۔ پیرانِ کلیسا کی دعا ہے کہ یہ ٹل جائے!

عالمی طاقتیں تو ہمیں مٹانے کے درپے ہیں لیکن کائنات کی عظیم ترین قوت اب بھی ہماری دستگیری فرما سکتی ہے' بشرطیکہ ہم قوم یونسؑ کی مانند اجتماعی توبہ کریں' اللہ اور اس کے دین سے وفاداری کا عہد کریں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا عزم مصمم کرتے ہوئے اس ملک میں دین حق کے قیام اور نظام خلافت کے احیاء کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ ہم امریکہ اور عالمی مالیاتی استعمار کی غلامی چھوڑ کر ایک اللہ کی غلامی اختیار کریں اور اجتماعی توبہ کے ذریعے اس کے دامن رحمت کو تھام لیں ——— اللہ کی نصرت وتائید کے حصول کا یقینی راستہ یہ ہے کہ ہم اس کے کلمہ کی سربلندی اور دین کے قیام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں ——— ہمارے لئے نجات کی یہی ایک راہ ہے۔ **اللھم وفقنا لھذا** (آمین)

ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور	پبلشر: اسعد احمد مختار طابع: رشید احمد چوہدری	بانی: اقتدار احمد مرحوم
سی پی ایل نمبر: 127۔ جلد 11' شمارہ 20	مطبع: مکتبہ جدید پریس۔ ریلوے روڈ' لاہور	مدیر: حافظ عاکف سعید
سالانہ زرتعاون: 250 روپے' قیمت: 5 روپے	مقام اشاعت: 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون: 03-5869501	نائب مدیر: فرقان دانش خان

اسلامی انقلاب صرف اور صرف منہج نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہو کر ہی برپا کیا جا سکتا ہے

دینی جماعتوں پر ''شہادتِ حق'' کی بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے

''متحدہ مجلس عمل'' کے نام سے دینی جماعتوں کا اتحاد نہایت خوش آئند اور ایک نئی پیش رفت ہے

دینی جماعتیں تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر ملک میں نفاذِ اسلام کے لئے ٹھیٹھ اسلامی منشور دیں

بھارت جنگ پر تلا بیٹھا ہے اور ہم بحیثیت قوم اپنی روش بدلنے کو تیار نہیں

۳۰ جون سے پہلے سودی نظام کے خاتمے کے لئے حکومت کو مجبور کیا جائے

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے ۷ مئی ۲۰۰۲ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

تمام نبیوں کی دعوت ایک ہی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اسی طرح تمام رسولوں کا دین بھی ایک ہی تھا یعنی دین توحید۔ لیکن اللہ نے تمام نبیوں کو شریعتیں جدا جدا عطا فرمائی تھیں اور ان کے منہاج بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا منہاج کچھ اور تھا' حضرت عیسیٰؑ کا کچھ اور۔ حضرت موسیٰؑ کا زیادہ زور اس بات پر تھا کہ غلام مسلمان قوم (بنی اسرائیل) کو فرعون کی غلامی سے آزادی دلائیں۔ جبکہ حضرت عیسیٰؑ کا منہاج یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں ایمان حقیقی اور دین کی رُوح پیدا کریں۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور میں بنی اسرائیل اگرچہ رومیوں کے زیر تسلط تھے لیکن اپنی قوم کو اس سیاسی جبر سے نجات دلانے کا ذکر تک ان کی دعوت میں نہیں ملتا۔ حضرت محمد ﷺ کا منہاج انقلابی تھا۔ آپؐ نے قرآنی دعوت کے ذریعے ایک منظم جماعت تشکیل دی جو بیعت سمع وطاعت کی بنیاد پر قائم ہوئی۔ پھر آپؐ نے اس جماعت کی تربیت و تزکیہ کے مراحل سرانجام دیئے۔ جب آپ کی دعوت مناسب حد تک وسعت پذیر ہوئی اور اعوان و انصار کی ایک اچھی خاصی تعداد ساتھیوں کی صورت میں فراہم ہو گئی اور یہ ساتھی تربیت و تزکیہ کے مراحل سے گزر کر پختہ ہو گئے تو آپؐ نے باطل کے خلاف اقدام کا آغاز کیا جو مسلح تصادم یعنی قتال کی صورت اختیار کر گیا۔ اس جدوجہد کے نتیجے میں اللہ نے آپؐ اور آپؐ کی جماعت کو کامیاب فرمایا۔ دراصل فلسفہ سیرت کے ان مراحل کو سمجھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے کہ جن پر عمل پیرا ہو کر آپؐ نے جزیرہ نمائے عرب میں دنیا کا عظیم ترین انقلاب برپا فرمایا۔ کیونکہ آج بھی اسلام کا نظام عدل وقسط صرف اسی منہاج کو اختیار کرنے سے قائم ہو سکتا ہے' البتہ آج کے دور میں اقامت دین یا اسلامی انقلاب کے لئے میری رائے میں منہج انقلاب نبویؐ کے آخری مرحلے یعنی قتال کے حوالے سے اجتہاد ہو سکتا ہے کیونکہ اُس دور میں حضور اکرم ﷺ اور صحابہؓ کا مقابلہ کفار سے تھا جبکہ آج ہمیں مسلمان حکمرانوں کے مقابلے میں یہ کام کرنا ہے۔ لہٰذا دور حاضر میں ایک ایسی جماعت جس کا واضح مقصد اللہ کے دین کو قائم کرنا ہو اور جو تربیت و تزکیہ کے تمام مراحل طے کر چکی ہو وہ منکرات کے خاتمے کے لئے پُر امن مظاہروں اور گھیراؤ کے ذریعے حکومت کو نفاذِ اسلام کے لئے مجبور کرے تو یہ کام باآسانی ہو سکتا ہے۔ تاہم اس میں ایک شرط ہو گی کہ اس مطالباتی تحریک کے دوران اس جماعت کے کارکن کسی کی املاک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اپنی جانیں دیں گے لیکن کسی کی جان نہیں لیں گے۔ دراصل اپنی جانیں دیئے بغیر یہ کام نہیں ہو گا' کیونکہ اسلامی نظام نہ حضور ﷺ کے دور میں جانیں دیئے بغیر قائم ہوا تھا' نہ اب ہو سکتا ہے۔

پاکستان کے حوالے سے اوپر بیان کیا گیا میرا یہ نقطۂ نظر ہمیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔ لیکن پاکستان میں شروع ہی سے مذہبی جماعتوں کا ایک دوسرا نقطۂ نظر بھی موجود ہے کہ الیکشن کے ذریعے سے یہاں اسلام آ سکتا ہے۔ مجھے اس نقطۂ نظر سے شروع ہی سے اختلاف ہے۔ میری جماعت اسلامی سے علیحدگی کی بنیاد بھی یہی اختلاف تھا۔ تاہم حال ہی میں چھ دینی جماعتوں نے ''متحدہ مجلس عمل'' کے نام سے جو انتخابی اتحاد بنایا ہے' میرے نزدیک یہ انتہائی خوش آئند اور ایک نئی پیش رفت ہے۔ پاکستان کی تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ خالص دینی جماعتوں کا انتخابی اتحاد وجود میں آیا ہو۔ دفاع افغانستان و پاکستان کونسل کے آخری اجلاس میں جبکہ افغانستان میں طالبان کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا' میں نے وہاں یہ تجویز پیش کی تھی کہ اس کونسل کو ''دفاع اسلام محاذ'' میں تبدیل کر کے نہی عن المنکر کی بنیاد پر فعال کیا جائے اور دینی جماعتوں کے اس مبارک اتحاد کو پاکستان میں شریعت کے نفاذ اور سود کے خاتمہ کے لئے بھرپور طور پر متحرک کیا جائے لیکن افسوس کہ اس رُخ کو اختیار کرنے کی بجائے دینی جماعتوں نے ''متحدہ مجلس عمل'' کے ایک سابقہ عنوان کے تحت مجتمع ہو کر آئندہ الیکشن کی تیاری کے طور پر انتخابی اتحاد کی تشکیل کو زیادہ لائق اعتبار سمجھا۔ بہرکیف دینی جماعتوں کے اس انتخابی اتحاد کو خوش آمدید کہتے ہوئے میں نے اپنا یہ موقف پیش کیا تھا کہ اگرچہ میں اور میری تنظیم اس اتحاد میں شریک نہیں ہو گی کیونکہ ہمارا پختہ موقف ہے کہ اس راستے سے پاکستان میں اسلام نہیں آ سکتا تاہم اگر یہ اتحاد انتخابات تک برقرار رہا اور اس نے سیکولر سیاسی جماعتوں سے انتخابی گٹھ جوڑ نہ کیا تو ہماری جماعت 'تنظیم اسلامی اس اتحاد کی حمایت کرے گی۔ میں اپنے اس موقف پر آج بھی قائم ہوں اور انتخابات کے انعقاد تک اس اتحاد کے برقرار رہنے کو خوش آئند سمجھتا ہوں۔ متحدہ مجلس عمل کے حوالے سے ایک خوش آئند پہلو اور بھی ہے کہ اس میں تحریک جعفریہ بھی شامل ہے اور یوں اس اتحاد میں ملک کے تمام مسالک کی نمائندگی موجود ہے۔

معروف کالم نگار ارشاد احمد حقانی نے اس اتحاد کی مذہبی جماعتوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے منکر و معروف کے تصورات پر جزوی نظر ثانی کریں کیونکہ عام لوگ لبرل اسلامی تصورات کو پسند کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر یہ جماعتیں ایسا کرنے کو تیار نہیں تو پھر انہیں ڈاکٹر اسرار کا مشورہ مان کر انتخابی سیاست سے کنارہ کش ہو جانا چاہئے۔ میرے نزدیک حقانی صاحب کا یہ مشورہ درست نہیں کیونکہ دینی جماعتوں پر شہادت حق کی بہت بڑی ذمہ

داری عائد ہوتی ہے۔ اگر دینی جماعتیں بھی شریعت کے معاملے میں لوگوں کی پسند و ناپسند کو دیکھیں گی تو یہ کعبہ سے کفر شروع ہونے والا معاملہ ہوگا۔ میرے نزدیک ان دینی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ ہر طرح کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر ملک میں نفاذِ اسلام کے لئے ٹھیٹھ اسلامی منشور دیں اور سیکولر سیاسی جماعتوں سے گٹھ جوڑ نہ کریں۔ اگر اس صورت میں عوام نے انہیں مسترد کر دیا تو عوام خود اللہ کی عدالت میں جواب دہ ہوں گے لیکن اگر انہوں نے شریعت کے معاملے میں لوگوں کی پسند و ناپسند کے حوالے سے شوگر کوٹڈ اسلام لوگوں کے سامنے پیش کیا تو انہیں اللہ کے حضور اپنے اس عمل کا جواب دینا پڑے گا۔

حالاتِ حاضرہ:

بھارت جنگ پر تلا بیٹھا ہے اور کوئی بعید نہیں کہ وہ آزاد کشمیر پر قبضے کے لئے محدود جنگ شروع کر دے' جس کے نتیجے میں ہم پر بہت بڑی تباہی آسکتی ہے اور آل آؤٹ وار شروع ہونے کا بھی خدشہ ہے۔ اس بات کا اندیشہ بھی موجود ہے کہ بھارت اگر پاکستان پر حملہ کر دے تو امریکہ اس اندیشہ کے تحت پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ کر لے گا کہ کہیں یہ جنگ ایٹمی جنگ کی صورت اختیار نہ کر لے اور اسی طرح ہم اپنی خداداد صلاحیت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ تاہم افسوسناک امر یہ ہے کہ ایک طرف ہم بحیثیت قوم اپنی روش بدلنے کو تیار نہیں تو دوسری جانب ہماری حکومت سودی نظام کے تسلسل سے اللہ اور رسولؐ کے ساتھ جنگ کو جاری رکھنے کے لئے نت نئی چالیں سوچ رہی ہے۔ حالانکہ یہی وہ وقت ہے کہ ہمیں اللہ کی جناب میں توبہ کرتے ہوئے ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔ نیز دینی جماعتوں کو چاہئے کہ وہ ایڈووکیٹ جنرل پاکستان کے اس بیان کا سنجیدگی سے نوٹس لیں جس میں کہا گیا ہے کہ اولاً امتناعِ سود کے ضمن میں یو بی ایل کی نظرثانی کی اپیل پر زور دیا جائے گا اور ایسے علماء کی آراء سے استفادہ کیا جائے گا جو بنک کے سود کو ربا نہیں سمجھتے اور ثانیاً بعض ایسے مسلم ممالک کی مثالوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی جہاں غیر سودی کے ساتھ ساتھ سودی بینکنگ بھی جاری ہے۔ اگر ایسا ہوا تو انسدادِ سود کے ضمن میں شرعی عدالت کے فیصلہ کے بعد سپریم کورٹ سے اس فیصلے کی توثیق تک دس بارہ سال کی محنت ضائع ہو جائے گی۔ ان حالات میں دینی جماعتوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ حکومت سے پُرزور مطالبہ کریں کہ ۳۰ جون سے پہلے پہلے سپریم کورٹ کے فیصلے پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے اور حکومت کے پاس پہلے سے موجود متبادل غیر سودی نظام کے حوالے سے مرتب کردہ بے شمار رپورٹوں میں سے کسی بھی سکیم کو نافذ کر دیا جائے۔ اگر اس سکیم میں کوئی سقم ہوگا تو اسے بعد میں دور کر لیا جائے گا۔

دعوتِ فکر

عشق کا معیار

عبیداللہ خالد

ہر سال ربیع الاول کا مہینہ آتے ہی ملک کی گلیاں اور بازار سجنا شروع ہو جاتے ہیں اور عاشقانِ رسول ﷺ گلی محلوں میں اپنے عشق کا اظہار عجیب طریقے سے کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ عشق کا یہ نرالا اظہار نہ محبت کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے اور نہ شریعت کے معیار پر۔

عشق دکھانے کی شے نہیں' محسوس کرنے کا معاملہ ہے مگر ربیع الاول کا چاند نظر آتے ہی دعوائے عشقِ رسول کے جو مناظر سامنے آتے ہیں' انہیں دیکھ کر دین کا مبتدی بھی یہ سمجھ جاتا ہے کہ یہ محض دعوے ہیں' حقیقت نہیں!

کوئی بھی مسلمان عشقِ رسول ﷺ سے انکار نہیں کر سکتا' نہ اس انکار کا خیال دل میں لا سکتا ہے۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ مسلمان آزاد نہیں ہے' محبت ہو یا جنگ ـــــ وہ شریعت کا قیدی ہے' قرآن و حدیث کے احکام کا پابند ہے۔ وہی شریعت جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے' وہی قرآن و حدیث جو رسول اللہ ﷺ سے ہم تک پہنچا اور جن کے لئے فرما دیا گیا کہ ان کی پیروی ہی میں فلاح ہے اور ان سے روگردانی ہی میں خسارہ ہے۔

ایسے میں ذرا سوچئے کہ کیا ایک مسلمان کی اتنی جرات ہو سکتی ہے کہ وہ دعوائے عشقِ رسول ﷺ کرتے ہوئے انہیؐ کے لائے ہوئے احکامات سے روگردانی کر جائے؟

مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ خوشی ہو یا غم' محبت ہو یا جنگ ـــــ ہر معاملے میں خدا کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو دیکھتا ہے۔ وہ رسومات و رواج کے سہارے زندہ نہیں رہتا۔ اسی میں اس کی دنیا کی کامیابی اور آخرت کی فلاح مضمر ہے۔

شائقین قرآن توجہ فرمائیں

مرکزی انجمن خدام القران لاہور

کے شعبہ سمع و بصر نے

درج ذیل **دو نئی کمپیوٹر سی ڈیز** تیار کی ہیں:

الھدیٰ (MP-3 CD)

☆ مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے ۴۴ لیکچرز

☆ بہترین ساؤنڈ کوالٹی کے ساتھ **MP-3** فارمیٹ میں

☆ تمام لیکچرز ایک سی ڈی میں دستیاب

منہج انقلاب نبویؐ پر لیکچرز (VIDEO CD)

☆ **Real Video** فارمیٹ میں

☆ چھ گھنٹے پر محیط ان لیکچرز میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے فلسفہ سیرت کے انقلابی پہلو پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے

☆ تمام لیکچرز کی ویڈیوز ایک **CD** میں

قیمت فی سی ڈی : 60 روپے

ملنے کا پتہ: **مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور**

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور' فون: **5869501-03**' فیکس: **5834000**

E-mail:info@tanzeem.org

جنگ ہوگی یا نہیں؟

تجزیہ نگار کے نقطۂ نظر سے ادارہ کا کامل اتفاق ضروری نہیں

ابوالحسن

''جنگ ہوگی یا نہیں؟'' پاکستان کے گلی کوچوں سے لے کر خوشنما ڈرائنگ رومز اور سرکاری ایوانوں میں اس سوال پر بحث جاری ہے۔ زیادہ دانشور قسم کے لوگ بڑے وثوق سے کہہ رہے ہیں کہ جنگ نہیں ہوگی' اگرچہ ان کے پاس اپنی اس رائے کے حق میں کوئی پختہ دلیل نہیں ہے۔ درحقیقت ہماری قومی سائیکی کچھ اس نوع کی ہو چکی ہے کہ جو چیز بڑے زور شور سے سامنے آئے' علاقائی اور عالمی میڈیا میں اس کا چرچا ہو رہا ہو اور ظاہراً دیکھنے میں وہ بالکل سامنے کی بات نظر آئے اس کی مخالفت میں رائے کا اظہار کردو۔ اگر وہ ہونی ہو جاتی ہے تو کسی کو آپ سے پوچھنے کی فرصت نہیں ہوگی کہ آپ تو اس کے برعکس رائے رکھتے تھے' لیکن اگر غیر متوقع طور پر وہ ہونی انہونی ہو جاتی ہے تو پھر آپ تھوڑے سے کندھے اچکا کر' طنزیہ مسکراہٹ سے اپنی دانشوری کا رعب جھاڑتے ہوئے یہ کہہ سکیں گے کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا یوں نہیں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت کے انتہائی جارحانہ رویہ اور اعلیٰ ترین سطح پر جنگی تیاریوں کے باوجود حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ آیا جنگ ہوگی یا نہیں! جنگ چھڑنے کے حق میں دلائل دینے کی تو قطعی ضرورت نہیں اس لئے کہ آج کل کی خبروں سے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ کچھ وقت گزرے' جنگ ہوا چاہتی ہے۔ البتہ جنگ نہ ہونے کی بھی کچھ وجوہات نظر آتی ہیں۔ اس کے لئے یہ دلائل دیئے جا سکتے ہیں:

۱) امریکہ بھارت کو یہ ضمانت فراہم نہیں کر رہا کہ وہ لڑائی کو ایٹمی جنگ میں تبدیل ہونے سے روک دے گا۔ اگر آج امریکہ بھارت کو یہ ضمانت فراہم کر دے تو بھارت طبل جنگ بجانے میں ذرا بھی وقت ضائع نہیں کرے گا۔ لہٰذا ایٹمی جنگ اور اس سے ہونے والی ہولناک تباہی نے فی الحال جنگ کو روکا ہوا ہے۔

۲) پاکستان کی شکست جنرل مشرف اور فوج کی شکست ہو گی۔ جنرل مشرف کا اقتدار ختم ہو جائے گا اور فوج پس منظر میں چلی جائے گی۔ اس انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہادی قوتیں لاکھوں کی تعداد میں افغانستان میں داخل ہو سکتی ہیں جو وہاں گوریلا کارروائیوں کے لئے بطور ایندھن استعمال ہوں گی۔ ایک امریکی کے مقابلے میں ایک ہزار جہادی بھی ہلاک ہو گئے تو امریکہ کے لئے یہ نقصان ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ فوج کا کنٹرول کمزور پڑنے سے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں امریکہ کے خلاف جہادی قوتوں کے مضبوط اڈے قائم ہو جائیں گے اور افغانستان امریکیوں کے لئے جہنم بن جائے گا۔

واشنگٹن پوسٹ کی اطلاع کے مطابق پاکستان نے امریکہ سے کہا ہے کہ وہ اس سے مل کر قبائلی علاقوں میں اس وقت تک کوئی آپریشن نہیں کرے گا جب تک سرحدوں پر بھارتی افواج کا اجتماع ہے کیونکہ اس کے نتیجے میں قبائلیوں میں غصہ اور غضب کی لہر دوڑ سکتی ہے اور پاکستانی فوج اس پوزیشن میں نہیں کہ وہ بیک وقت دونوں محاذوں کو کنٹرول کر سکے۔ علاوہ ازیں آئی ایس پی آر کے ترجمان میجر جنرل راشد قریشی نے کہا ہے کہ امریکہ نے ہماری بندرگاہوں پر عمل دخل کی خواہش کی تھی لیکن ہم نے صاف انکار کر دیا اور امریکہ نے بھی دوبارہ مطالبہ نہیں کیا۔ راقم کی رائے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں مطالبات کو منوانے کے لئے بھارت سے جنگ کا محض ہوا کھڑا کروا دیا گیا ہو اور اس دباؤ کے ساتھ بھارت بھی سرحد پار دہشت گردی ختم کرنے کے اپنے مطالبات سامنے رکھے اور دونوں ڈرا دھمکا کر اپنی باتیں منوا سکیں۔

اگرچہ جنگ نہ ہونے کے یہ سب دلائل موجود ہیں لیکن دوسری طرف بھارت میں' جو ایک جمہوری ملک ہے' پاکستان کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے لوک سبھا سے خصوصی قرارداد منظور کروائی گئی ہے اور اس مقصد کے لئے لوک سبھا کا خصوصی اور ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ جمہوری ملک ہونے کے حوالہ سے واجپائی اور سونیا گاندھی سر جوڑے مشورہ کرتے بھی نظر آئے ہیں۔ وہ سونیا جو قدم قدم پر واجپائی کو ٹوکتی اور تنقید کا نشانہ بناتی رہی ہے' اپنے مشترکہ دشمن پاکستان کے خلاف واجپائی کو ہر قسم کی یقین دہانیاں کرا رہی ہے۔ یہاں بھارت کے اسی جمہوری کلچر کے حوالہ سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مرتبہ بھی جنگ اگر ٹل گئی تو کیا بھارت کا جمہور اور حکومت کو ناکوں چنے چبوانے والی اپوزیشن' اتنی بڑی جگ ہنسائی کے بعد بھی واجپائی کو چین سے حکومت کرنے دے گی! بھارتی اخبارات کا جائزہ لیں اور الیکٹرانک میڈیا پر توجہ دیں تو ہر کس و ناکس جنگی جنون میں مبتلا ہے۔ پاکستان کو عبرتناک سزا دینا اور آزاد کشمیر کا کام تمام کرنا ہر بھارتی کے لئے زندگی موت کا مسئلہ بن گیا ہے۔ جنگ نہ ہونے کی صورت میں کیا بھارتی عوام اپنی حکومت کا گریبان نہیں پکڑیں گے کہ ان کے فوجی جوانوں کو چھ ماہ سے راجستھان کے جہنم زار میں کیوں جھونکے رکھا گیا۔ کم از کم راقم کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں کہ جنگ ٹلنے کی صورت میں واجپائی حکومت اپنے عوام کو کیسے مطمئن کرے گی اور انہیں افیون کی کون سی گولی دے گی جس سے وہ مست ہو کر خاموش بیٹھ جائیں۔

ایک طبقہ بڑے زور شور سے یہ بھی کہہ رہا ہے کہ اگر جنگ ہوئی تو وہ صرف کشمیر تک محدود ہوگی' جہاں بھارت کے مقاصد پورے کرنے کے بعد لڑائی کو ختم کر دیا جائے گا۔ ان کے مطابق جنگ کے نام پر ایک ڈرامہ کھیلا جائے گا' جس میں ہر فریق طے شدہ کردار ادا کرے گا اور یوں پہلے سے مرتب کردہ نتائج حاصل کر لئے جائیں گے۔ ایسی رائے رکھنے والے حضرات سے راقم کو بہت ہمدردی ہے۔ یہ وہ مخلص قسم کے لوگ ہیں جو ملک کی آزادی اور سلامتی دونوں حوالوں سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے ہیں۔ ماضی قریب میں ہونے والے واقعات خصوصاً موجودہ حکومت کی افغان پالیسی اور امریکہ نوازی نے انہیں مایوسیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل دیا ہے۔ درحقیقت محدود جنگ ایک مبہم اصطلاح ہے اور حقیقی دنیا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ کوئی جنگ محدود پیمانے پر نہیں ہوتی۔ البتہ اگر دو ممالک کے مابین چھوٹی بڑی جھڑپوں کو آپ محدود جنگ کا نام دینا چاہیں تو یہ الگ بات ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ جنگ ایک محدود جگہ سے شروع ہوتی ہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کشمیر سے شروع ہوئی تھی لیکن ساری سرحدوں پر پھیل گئی۔ دوران جنگ جب کوئی فریق کسی ایک علاقہ میں دقت محسوس کرتا ہے یا اسے اپنا دفاع کمزور پڑتا محسوس ہوتا ہے تو پھر کسی دوسری جگہ پر محاذ کھولنے سے اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ محدود جنگ کی اصطلاح بھارت نے استعمال کی تھی اور اس

کے لئے پُرزور مہم بھی چلائی جس کا جواب پاکستان سفارتی سطح پر دے چکا ہے کہ آزاد کشمیر کے کسی بھی علاقے پر حملہ کو پاکستان پر حملہ تصور کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اس مرتبہ جب بھارت نے لائن آف کنٹرول پر فائر کھولا تو پاکستان نے اس کا جواب ورکنگ باؤنڈری پر دیا۔ اس سلسلہ کی آخری بات یہ ہے کہ پچپن سالہ باہمی جنگوں کے ریکارڈ کے مطابق محدود جنگ میں بھارت نے ہمیشہ ہزیمت اٹھائی۔

بہرحال جنگ ہو گی نہیں' یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ تاہم اصل مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان کے عوام ہی نہیں بلکہ خواص بھی عسکری اور دفاعی تیاریوں کے لحاظ سے پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں بہت کمزور سمجھتے ہیں' خصوصاً روایتی اسلحہ میں وہ بھارت کو پاکستان سے بہت آگے سمجھتے ہیں۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ اسلحہ اور ساز و سامان کی مقدار کے لحاظ سے بھارت کی پوزیشن پاکستان سے بہت بہتر ہے لیکن بیشتر دفاعی ماہرین کے مطابق طاقت کا یہ عدم توازن پچھلے پچپن سالوں میں اس درجہ تک کبھی نہیں پہنچا۔ جن شعبہ ہائے زندگی میں پاکستان بھارت کے قریب بھی نہیں پھٹکتا اور جو کسی ملک کے مضبوط دفاع کی اصل بنیاد ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ امر حقیقی تشویش کا باعث ہے۔ سیاسی بلوغت اور پختگی کے لحاظ سے پاکستان بھارت سے ایک صدی پیچھے ہے۔ معاشی لحاظ سے پاکستان بھارت سے بہت کمزور اور نہایت غریب ہے' بلکہ یہاں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ اس حوالے سے دونوں کا کوئی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا! شاید کچھ لوگ راقم کی اس رائے پر حیران ہوں لیکن حقیقت یہی ہے کہ معاشرتی لحاظ سے بھی پاکستان بھارت سے کوسوں پیچھے ہے۔ آیئے سب سے پہلے اسی پہلو سے تقابل کرتے ہیں۔ راگ رنگ ہندوؤں کی قدیم معاشرت ہی نہیں بلکہ ان کی عبادت کا ایک اہم حصہ بھی ہے اور وہ اچھے برے طریقے سے اپنی اسی معاشرت کو اپنائے ہوئے ہیں۔ لیکن ذرا سوچئے تو سہی کہ وہ ملک جو اسلام کے نام پر وجود میں آیا اور جہاں ۹۵ فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے' اسلامی ثقافت اور معاشرت سے کس قدر دور ہو چکا ہے۔ اس حوالے سے نہ ہم گھر کے ہیں نہ گھاٹ کے! اسلامی معاشرت کو ہم قریباً ترک کر چکے ہیں جبکہ مغرب کی صحیح نقالی ہم سے ہو نہیں پا رہی۔ سیاسی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اکیسویں صدی میں بھی ہم مارشل لاء کے دور میں رہ رہے ہیں اور شریف اور بے نظیر جمہوریت کے ہوتے ہوئے بھی لوگ بھاری بوٹوں کی چاپ سننے کو بے تاب رہتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات سمیت کسی کے نتائج کو آج تک ہارنے والوں نے منصفانہ نہیں کہا۔ ریفرنڈم کا بول بالا رہتا ہے جس میں ووٹر گھر بیٹھتا ہے اور غیر مرئی و نادیدہ قوتیں ووٹ ڈالتی ہیں۔ معاشی لحاظ سے ہماری حالت مردہ اور دیوالیہ ملکوں سے بدتر ہے۔ جس ملک میں کبھی صنعت لگانے میں لوٹ مچے کبھی اسے نیشنلائز کرنے میں اور کبھی اسے پرائیوٹائز کرنے میں' جہاں لوگ انتخابات میں اخراجات سرمایہ کاری کے نقطہ نظر سے کریں اور اسمبلی سیٹ کو نوٹ چھاپنے والی مشین تصور کریں' جہاں سود کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہو' جہاں بجلی کی قیمت صنعت کار اور کاشت کار کی پہنچ سے باہر ہو وہاں معاشی ترقی کا تصور کرنا احمقوں کی جنت میں رہنا ہے۔ یہ اگرچہ حیرت کی بات ہے لیکن ہم نے اگر واقعتاً ترقی کی ہے تو وہ جدید اسلحہ کی تیاری میں ہے۔ ہم نے دنیا کا جدید ترین ٹینک ''الخالد'' بنایا۔ ہم نے انتہائی مہلک اور تباہ کن میزائل تیار کئے جن کی پہنچ امرتسر سے لے کر کولکتہ تک ہے۔ ہم نے جدید ترین آبدوزیں حاصل کیں۔ لیکن اس کے باوجود عسکری قوت کے حوالہ سے ہم تشویش میں مبتلا رہتے ہیں جبکہ جن شعبہ ہائے زندگی میں ہماری کارکردگی بالکل صفر ہے اور ہم افریقی ممالک سے بھی پیچھے ہیں' ان کے بارے میں کوئی تشویش نہیں پائی جاتی! راقم کی رائے میں ہمارے دفاع اور عسکری قوت میں بھی جو کمزوری ہے' اس کی اصل بنیاد سیاسی عدم استحکام' غلط معاشی پالیسیاں اور بے راہ رو معاشرت ہے۔ ہمیں سوویت یونین کا انجام فراموش نہیں کرنا چاہئے جس کا اسلحہ خانہ ایٹمی ہتھیاروں سے لدا ہوا تھا لیکن پھر بھی وہ شکست و ریخت سے محفوظ نہ رہ سکا کیونکہ وہاں سیاسی گھٹن اور معاشی بدنظمی اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ہماری حالت اس وقت ایک ایسے انسانی ڈھانچے کی طرح ہے جس کا گوشت نوچا جا چکا ہے' ٹانگیں لرز رہی ہیں اور اسے سیدھا کھڑا رہنا دشوار ہو رہا ہے۔ ہمارے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں ایٹم بم ہے جو دنیا اور خود ہمارے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے!

پاکستان کے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کے لئے سیاسی' معاشی اور معاشرتی سطح پر حقیقی انقلاب لانا ہو گا۔

دعائے صحت اور دعائے مغفرت کی اپیل

گزشتہ دنوں عبدالغفور چوہدری (کینیڈا) کے ایک عزیز کار کے حادثہ میں جاں بحق ہو گئے جبکہ چار دیگر شدید زخمی ہوئے۔ چوہدری صاحب نے مرحوم کے لئے دعائے مغفرت اور زخمیوں کے لئے صحت یابی کی دعا کے لئے اپیل کی ہے۔

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں

ڈاکٹر اسرار احمد

نبی اکرم ﷺ کی سیرت کے حوالے سے میری اور آپ کی اخروی نجات کا دارومدار اس بات پر ہے کہ ہم حضور ﷺ سے اپنے تعلق اور نسبت کو درست بنیادوں پر قائم کریں۔ جلسے‘ جلوس اور خالی خولی عشق رسولؐ کے دعوے حضور ﷺ سے ہمارے تعلق کا پیمانہ نہیں۔

اس ضمن میں سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”......پس جولوگ ایمان لائے آپ (ﷺ) پر اور جنہوں نے آپ (ﷺ) کی توقیر وتعظیم کی اور جنہوں نے آپ (ﷺ) کی مدد اور حمایت کی (یعنی نبی اکرم ﷺ کے مشن میں آپ ﷺ کے دست وبازو بنے اور آپ ﷺ کے مشن اور مقاصد کی تکمیل میں اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو کھپایا) اور جنہوں نے اس نور کا اتباع کیا جو آپؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے (یعنی قرآن حکیم) تو یہی وہ لوگ ہیں جوفلاح پانے والے ہیں“۔

اس آیت مبارکہ کی رو سے ہمارا حضور ﷺ سے متعلق چار بنیادوں پر استوار ہونا چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی اوّلین اور بنیادی نوعیت یہ ہے کہ آپؐ پر ایمان لایا جائے اور آپؐ کی تصدیق کی جائے۔ اس ایمان کے دو درجے یا دو پہلو ہیں‘ ایک اقرار باللسان اور دوسرے تصدیق بالقلب‘ یعنی نبی اکرم ﷺ پر ایمان کے ضمن میں زبان سے اس امر کا اقرار کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں‘ اور دل سے اسی بات کی تصدیق اور اس پر یقین کامل رکھنا۔ ایمان کے یہ دونوں درجے جب مل کر ایک وحدت بنیں گے تب ہی درحقیقت ایمان مکمل ہوگا۔

جب حضور ﷺ کے بارے میں یہ یقین حاصل ہو گیا کہ آپؐ ہمارے خالق و مالک اور ہمارے آقا و پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول ہیں‘ جنہیں اس نے ہماری ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا ہے‘ تو اس ایمان کا پہلا فطری اور لازمی نتیجہ حضور ﷺ کی توقیر وتعظیم اور آپؐ کا حد درجہ ادب واحترام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی‘ آپ کی حکم عدولی اور آپؐ کے ارشادات کو پس پشت ڈال دینا تو بڑی دُور کی بات ہے‘ محض یہ سوئے ادب کہ رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر دیا جائے‘ بھی اللہ کی نگاہ میں نہایت سنگین جرم ہے۔ اس پر سورۃ الحجرات میں بڑی شدید تنبیہہ کی گئی ہے کہ حضور ﷺ کے معاملے میں ایسی بے احتیاطی کے نتیجے میں اب تک کے سارے نیک اعمال اکارت ہو جائیں گے اور تمہیں معلوم تک نہ ہوگا کہ تم نے اس بے ادبی اور بے احتیاطی سے کیا کچھ کھو دیا۔ آج حضور ﷺ کے کسی فرمان کے مقابلے میں خاموشی اختیار کرنے کے بجائے اپنی رائے کو فوقیت دینا آپ ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے کے مترادف ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور آپؐ کی توقیر وتعظیم کے دو لازمی تقاضے — اطاعتِ رسول ﷺ اور محبتِ رسول ﷺ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

”تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہش نفس اس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں“۔ (مشکوٰۃ)

یعنی ایمان کا دعویٰ کرنے کے بعد جب تک ان تمام احکامِ شریعت‘ حدود وقیود اور اوامر ونواہی کو دلی آمادگی کے ساتھ تسلیم نہیں کیا جاتا جو رسول اللہ ﷺ نے قرآن وسنت کے ذریعے سے پیش فرمائے ہیں تب تک ایمان کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں اللہ کی اطاعت کا حکم ملے گا وہاں اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم بھی ساتھ ہی موجود ہوگا۔ چنانچہ حضور ﷺ کو صرف مرکزِ عقیدت سمجھ لینا ہرگز کافی نہیں‘ بلکہ ایمان اور توقیر وتعظیم کے لازمی عملی نتیجے کے طور پر آپ کو مرکزِ اطاعت تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔

نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ کی توقیر وتعظیم کا دوسرا لازمی تقاضا آپؐ سے شدید ترین محبت ہے۔ اس ضمن میں خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

”تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے لئے اس کے باپ‘ اس کے بیٹے اور تمام انسانوں سے محبوب تر نہ ہو جاؤں“۔ (متفق علیہ)

آنحضور ﷺ سے ہمارے تعلق کی تیسری اور نہایت اہم بنیاد از روئے قرآن یہ ہے کہ ہم آپؐ کی نصرت کریں۔ نصرت رسولؐ کا مفہوم یہ ہے کہ حضور ﷺ کے فریضہ رسالت ونبوت کی ادائیگی میں‘ دعوت وتبلیغ کی ذمہ داری ادا کرنے میں‘ تکبیرِ رب اور غلبہ واقامت دین کی کٹھن مہم میں آپؐ کا حامی ومددگار بننا۔ اس کام میں آپؐ کے صحابہ نے آپؐ کی ہر طرح مدد کی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ہم آج حضور ﷺ کی کس طرح مدد کر سکتے ہیں۔ دراصل حضور ﷺ کا یہ مشن آج بھی زندہ ہے۔ آج ہمیں کل روئے ارضی پر غلبہ دین کے لئے آپؐ کے مشن کی تکمیل میں اپنا تن من دھن لگانا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی چوتھی بنیاد قرآن مجید کو حرزِ جاں بنانا ہے۔ یہ وہ نورِ ہدایت ہے جو نبی اکرم ﷺ پر نازل ہوا‘ اس کا اتباع اور اس کے حقوق کی ادائیگی لازم ہے۔ حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور ﷺ نے جو آخری بات فرمائی وہ اسی قرآن مجید کے بارے میں تھی کہ

”میں تمہارے درمیان وہ چیز چھوڑے جا رہا ہوں جسے اگر تم مضبوطی سے تھامے رکھو گے تو تا ابد کبھی گمراہ نہیں ہو گے‘ اور وہ چیز اللہ کی کتاب ہے“۔ (مسلم)

اللہ کے اس نور کا جو نبی اکرم ﷺ کے توسط سے ہم کو ملا‘ جب ہم نے اتباع چھوڑ دیا تو اس دنیا میں اس کا یہ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ ہم یہاں ذلت ورسوائی کا ایک عبرت ناک مرقع بنے ہوئے ہیں۔ گویا بقول علامہ اقبالؒ

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی اس آخری بنیاد میں ہمارے لئے اس طریقِ کار کی طرف بھی رہنمائی کر دی گئی ہے جس پر کاربند ہو کر ہمیں دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنا ہے یعنی اس کتاب کو مضبوطی سے تھام کر‘ اس کے داعی‘ علم بردار اور پیغام بر بن کر ہمیں دنیا کے سامنے کھڑے ہونا ہے۔

حضور ﷺ کے مشن کی تکمیل کے لئے جدوجہد کا یہی صحیح طریقہ ہے اور اسی میں ہماری دُنیوی اور اُخروی فوز وفلاح مضمر ہے۔

☆ ☆ ☆

قارئین نوٹ فرما لیں!

فلسطین/اسرائیل تنازعہ کے حوالے سے ندائے خلافت کا

ایک خصوصی شمارہ **فلسطین نمبر** تیاری کے مراحل میں ہے

جو وسطِ جون تک متوقع ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے حضرات ابھی سے اپنی کاپی محفوظ کروانے کا اہتمام فرمائیں۔

(المعلن: مینجر سرکولیشن‘ 36۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور)

معاشرے کو پرنٹ میڈیا کی چیرہ دستیوں سے کیسے بچایا جائے!

رعنا ہاشم خان

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا تھا کہ صحافت ٹھیک بنیادوں پر استوار ہو تو یہ رائے عامہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ وطنِ عزیز میں آج غیر معیاری صحافت اپنے عروج پر ہے۔ قوم کا ذہن اس کے دانشور، ادیب، صحافی، شاعر اور لیڈر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ان کی اکثریت نے ملت کو ساغر و مینا، حسن و عشق اور حزن و یاس کے ساتھ ساتھ فیشن، میلے، ثقافت اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کا سبق گھول گھول کر پلایا ہے۔ Pen and Paper کا یہ کھیل دن بدن قوم کو ذہنی اپاہجی کی طرف گامزن کیے ہوئے ہے۔ ایسے میں چند تحریکی جرائد کا اجراء اور ان کو قائم و دائم رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔

برطانیہ میں جسے فٹ پاتھ کہتے ہیں، امریکہ میں وہ سائیڈ واک کہلاتا ہے۔ اسی طرح برطانیہ میں پٹرول پمپ امریکہ میں گیس سٹیشن بن جاتا ہے۔ وہاں فلیٹ ہوتے ہیں امریکہ میں اپارٹمنٹ ہوا کرتے ہیں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کے لئے برطانیہ میں ''شفٹ'' ہوا کرتے ہیں جبکہ امریکہ میں ''موو'' ہوا جاتا ہے۔ قصہ مختصر، امریکہ برطانیہ کی نقالی نہیں کرتا۔ دوسری طرف ہم ہیں کہ چونکہ بھارتی صحافت فلمی کہانیوں اور ان کے اخبارات فلمی تصاویر کے بغیر ادھورے ہیں لہٰذا ہمارے جرائد بھی ان کے بغیر نامکمل ہیں۔ ان کے جرائد تیسرے درجے کی شاعری اور افسانوں کی اشاعت کے حوالے سے بدنام ہیں تو ہمارے جرائد بھی یہ کام فخریہ کرتے ہیں۔ ان کے پاس سمیتا ٹھاکر جیسی شاعرہ ہے جس سے شاعری بھی پناہ مانگتی ہے، ہمارے پاس پروین شاکر ہے۔ ان کے اخبارات کی زینت اگر تعویذ گنڈے والے عامل ہیں تو ہم بھی ''آپ کا یہ ہفتہ کیسا رہے گا'' اور ''گوگیا پاشا کالا جادوگر کا اعزاز'' اپنی صحافت کے ماتھے پر سجا ہوا دیکھتے ہیں۔

ایک صحافی کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ پڑھنے والے کی توجہ کو اپنی گرفت میں لے۔ یوں ایک صحافی یا لکھاری اپنے قاری کی آنکھ اور کان بن جاتا ہے۔ لہٰذا لکھنے والے خود اپنا احتساب کریں کہ وہ کہاں کھڑے ہیں۔ کیا انہیں یہ زیب دیتا ہے کہ وہ معاشرے کی برائیوں کو اپنے قلم کی نوک سے آراستہ و پیراستہ کر کے پیش کریں؟ پرنٹ میڈیا ایک طاقتور ذریعہ ہے۔ لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ اپنی کہانی یا مضمون کا انتخاب ان اسباب کو پیشِ نظر رکھ کر کرے جو خود اس کے اور معاشرے کے لئے ضروری ہیں۔ پڑھنے والوں پر اپنی تحریر کے منفی و مثبت اثرات، ان کی دلچسپی اور دیرپا تاثر مطلوب ہونا چاہئے نہ کہ الفاظ کی لڑیاں محض اس لئے پرو دی جائیں کہ واہ واہ ہو جائے اور کچھ شہرت نصیب ہو جائے۔ انٹرنیٹ ہی کو لے لیجئے کہ جو time-sensitive ایشو ہے، مگر ہمارا صفِ اول کا ایک اخبار برائیوں کو دلچسپ کہانیوں کی شکل میں ڈھال کر ''نیٹ بیتیاں'' کے عنوان سے نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کے شدید جرم کا ارتکاب کر رہا ہے۔ خواتین کو شاعری کی زبان میں سب سے خوبصورت خراجِ تحسین علامہ اقبالؒ نے یوں پیش کیا تھا کہ ع ''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ''۔ آج اگر علامہ اقبالؒ زندہ ہوتے تو ہمارے اخبارات و جرائد کے صفحات میں وجودِ زن سے کھلائے ہوئے رنگوں کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنا یہ شعر واپس لے لیتے۔ خواتین کے میگزین بھی کسی طور کم نہیں ہیں۔ نام تو بے شک ''پاکیزہ'' اور ''آنچل'' ہیں مگر کبھی ان جرائد کے صفحات پر پھیلی ہوئی پاکیزگی ملاحظہ فرمایئے اور آنچل کی بے توقیری دیکھئے۔ ''خواتین ڈائجسٹ'' میں تو اس کے نام سے باقاعدہ صرفِ نظر کرتے ہوئے خواتین کے سوالات کے جوابات ذوالقرنین نامی کوئی صاحب دیتے رہے ہیں۔ چند سال پیشتر یہ صاحب رضائے الٰہی سے وفات پا گئے تو اب ان کے پرانے سلسلۂ سوال و جواب کو ہی شاملِ اشاعت کیا جانے لگا۔ خواتین ان کو ذوقی، قرنی، نین اور زلفی کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھیں۔ اس اندازِ تخاطب پر سوالات کی نوعیت کا اندازہ قارئین بخوبی لگا سکتے ہیں۔ قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ یہ جرائد وطنِ عزیز میں انتہائی مقبول ہیں اور قومی جذبے، اتحاد، حب الوطنی اور مذہبی و دینی تعلیمات نہ رکھنے کے باعث معاشرے پر ایک منفی پورٹریل مرتب کر رہے ہیں۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ صحافت آج بے مقصدیت کا شکار کیوں ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ وہ اپنے مقام و مرتبے سے ناآشنا ہے۔ مثلاً اگر کوئی صحافی یا لکھاری اپنے آپ کو مسلمان اور پاکستانی سمجھتا ہے تو اس کی منزل لامحالہ مسلمانوں کی فلاح اور پاکستان کی بقا ہونی چاہئے اور اسی رخ پر اس کی تمام کاوشوں اور صلاحیتوں کے دھارے بہنے چاہئیں۔ اس کی تحریر سچائی کی آئینہ دار ہونی چاہئے جس میں معاشرہ برائیوں کے داغ دیکھ سکے۔ وہ ایسی بات کہے جو کرتا بھی ہو۔ اب رہ گیا اس مسئلے کا حل کہ معاشرے کو ناعاقبت اندیش قسم کے پرنٹ میڈیا سے کیسے بچایا جائے تو اس سلسلے میں ضروری ہے ایسی مخلص تنظیمیں اور افراد جو کسی ذاتی غرض کے بغیر صرف اور صرف معاشرے کی برائیوں کو نیست و نابود کر دینے کے عزم کے ساتھ کوشاں ہیں، وہ پرنٹ میڈیا کی ناقابلِ قبول کوریج سے عام لوگوں میں آگاہی پیدا کریں۔ اس ضمن میں:

۱) ایسے اخبارات جو صفِ اوّل میں شامل ہیں اور تقریباً ہر گھر میں روزانہ آتے ہیں، ان میں سے ناقابلِ قبول میٹریل کو علیحدہ کر لیا جائے۔

۲) ایسی کہانیوں کی تعداد لکھی جائے جو نیٹ بیتی اور آپ بیتی کے عنوانات کے ساتھ شائع کی جاتی ہیں۔

۳) ایسے مضامین کا تخمینہ لگایا جائے جو صرف کسی ایک مخصوص طبقے کو خوش کرنے کے لئے شائع ہوتے ہیں۔ اسی طرح معاشرے کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے شائع شدہ مضامین اور دینی صفحات کی بھی گنتی کر لی جائے۔

مہینے کے آخر میں اپنے اپنے حلقے اور ارد گرد کے افراد کو پورے ثبوت کے ساتھ یہ باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ تیس دن سے آپ صرف کھو رہے ہیں، پایا کچھ نہیں! انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ سپورٹس، انٹرٹینمنٹ اور لائف سٹائل جیسے موضوعات کی گنجائش وہاں ہوگی جہاں کرائم، غربت اور بے وقتی نہیں ہوگی۔

یاد رکھئے اگر ہم معاشرے کی اصلاح کے خیال سے یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پرنٹ میڈیا کی کوریج ناانصافی اور معاشرتی برائیوں پر مشتمل ہے تو ہم اس کے خلاف دنیا بھر میں اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرنے کا مکمل حق رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کو صاف ستھری اور معیاری صحافت سے متعارف کرایا جائے، مثلاً تنظیم اسلامی کے کارکن ''ندائے خلافت'' کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرائیں۔ جب لوگوں تک ایک تحریکی پرچہ پہنچے گا تو یقیناً وہ اس پر سنجیدگی سے غور و خوض کریں گے، خصوصاً ایسی صورت حال میں جبکہ دینے والے کو ان سے کوئی ذاتی غرض نہیں۔ درحقیقت لوگوں کی اکثریت اپنی زندگی کا ایک پیٹرن بنا لیتی ہے جو ان کی زندگیوں پر ایک جمود کی سی کیفیت طاری کر دیتا ہے۔ اگر ہماری ذرا سی مخلصانہ کوشش ایسے جمود میں ہلچل پیدا کر سکے تو یہ کوئی مہنگا سودا تو نہیں!

انتقالِ پُرملال

تنظیم اسلامی چشتیاں کے رفیق جناب ملک عبدالرشید کی والدہ اور ہارون آباد کے رفیق جناب راجہ جاوید سلطان کی والدہ قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں۔ قارئین سے مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

طالبان کے حق میں اللہ کی مدد کیوں نہ آئی!

ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن

افغانستان میں طالبان حکومت کی شکست و ریخت کے بعد اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر طالبان حق پر تھے تو اللہ کی مدد کیوں نہیں آئی؟

بلاشبہ طالبان حق پر تھے اور طالبان کی حکومت بھی اسلامی تھی لیکن جہاں تک اللہ کی مدد کا تعلق ہے قرآن و سیرت کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد مسلمانوں کے حق میں آنے کا ایک ضابطہ ہے، جس کو قرآن ''سنت اللہ'' کہتا ہے اور یہ بھی کہ اللہ کی سنت ہرگز ہرگز تبدیل نہیں ہوسکتی۔ (سورۂ احزاب: ۶۲، سورۂ فاطر: ۴۳) اور ایک جگہ سورۂ یونس: ۶۴ میں سنت کی جگہ ''کلمات'' کا لفظ آیا ہے کہ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہو سکتے چنانچہ سورۃ الانعام: ۳۴ میں ''لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ'' فرمایا گیا کہ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوسکتے''۔

سنت اللہ کی ایک اہم مثال سورۂ انفال میں جو غزوۂ بدر کے سلسلہ میں نازل ہوئی، سامنے آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

''تحقیق اللہ نے تمہاری مدد کی غزوۂ بدر کے موقع پر، درآنحالیکہ تم کمزور تھے، پس اللہ سے ڈرو اور اس کا شکر ادا کرتے رہو۔''

مکہ سے قریش کے ایک ہزار جنگجو مرد کیل کانٹے سے لیس عتبہ بن ربیعہ، جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، کی سرکردگی میں مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے صف آراء تھا اور ادھر ۳۱۳ جان نثاران رسول (جن میں ساٹھ مہاجرین اور بقیہ انصار تھے) بے سروسامان، کسی کے پاس صرف زرہ، کسی کے پاس صرف گھوڑے کی ننگی پیٹھ، غرض جو کچھ بھی جس کے پاس تھا وہ لے کر آنحضرت ﷺ کی سربراہی میں نکل کھڑا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے جنگ کی رات عبادت میں گزاری، اللہ کے دربار میں رو رو کر دعائیں کیں۔ صحیحین (بخاری و مسلم) میں مذکور ہے کہ جنگ کے دن آپ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی اور عرض کرتے تھے کہ ''خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تیرا نام لیوا کوئی نہ ہوگا۔ اللہ کے ہاں حضور ﷺ کی دعا قبول ہوئی۔ صبح کو جب جنگ مغلوبہ (جنگ عام) شروع ہوئی تو ابوجہل و عتبہ کفار کے بڑے بڑے سردار سب مارے گئے۔ کل ستر (۷۰) کفار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے۔ ۳۰۰ پیدل مسلمان ایک طرف اور دوسری طرف کفار کے سو سو سواروں کے دس رسالے ہر طرح مسلح، جبکہ مسلمانوں کے پاس صرف دو جنگی گھوڑے تھے۔ اللہ نے غیب سے فرشتے اتارے اور آپ کو فتح نصیب فرمائی جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ سورۂ انفال میں بیان ہوا ہے۔

اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جب دین اسلام کو ماننے والے اپنے تمام تر جانی و مالی میسر وسائل دین کے دفاع و سربلندی کے لئے بروئے کار لے آتے ہیں اور پھر بھی وہ کافروں کا ان کے عظیم وسائل کے سبب مقابلہ نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ اپنی غیبی قوتوں کو نازل فرما کر کمی کو پورا کر دیتے ہیں۔

طالبان کے خلاف امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، جاپان اور دیگر حمایتی ممالک کے مقابلہ میں مسلمان حکومتوں نے جن کی اس وقت تعداد ۵۶ ہے کچھ بھی نہ کیا بلکہ الٹی عیسائی اور یہودی ملکوں سے دوستی اور یاری گانٹھیں اور ان کی ظاہری و خفیہ (غرض ہر طرح) مدد کی تو جب مسلمانوں نے اپنے میسر و موجود وسائل ہی سے طالبان کے حق میں کام نہ لیا اور ان کو اپنا جان و مال افغانستان کی اسلامی حکومت کے مقابلہ میں زیادہ عزیز نظر آیا بلکہ طالبان کی اسلامی حکومت ختم کرنے کی تمام تر سازشوں اور کوششوں میں درپردہ شریک اور مددگار رہے، تو اللہ کی مدد کیوں نازل ہوتی؟ جبکہ طالبان حکومت درحقیقت اسلام کے غلبہ کی علامت تھی اور اسلام تمام مسلمانوں کی میراث تھا۔ اگر ساری ملت اسلامیہ اپنے سارے وسائل کے ساتھ ''بنیان مرصوص'' (سیسہ پلائی ہوئی دیوار) کی طرح یک دل و یک جان ہو کر کھڑی ہو جاتی تو اللہ کی مدد بھی شامل ہوتی۔

مسلم دنیا بالخصوص پاکستان کے حکمرانوں کا طرزِ عمل تو اللہ کے غضب کو دعوے دینے والا تھا کجا کہ اللہ کی رحمت کا مستحق۔ بظاہر اب ایران کی باری ہے اور پھر پاکستان کی، کیونکہ دونوں اسلامی حکومتوں پر افغانستان کی سرحد سے متصل ہونے کے سبب جہاد فرض عین ہونے کی بنا پر عذاب الٰہی کے زیادہ مستحق ہیں (پاکستان کے ساتھ ابھی امریکہ کا ہنی مون جاری ہے) موقع ملنے پر اس کی باری بھی یقیناً آئے گی۔ اسی واسطے ہندوستان کی فوجیں امریکہ کے اشارہ پر پاکستان کی سرحدوں کے سامنے صف آراء ہیں اگر ذرا بھی پاکستان نے امریکہ سے اپنا فدویانہ طرزِ عمل بدلا تو بھارت سے پاکستان پر حملہ کرا دیا جائے گا تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری!

روشنی

طفیل ہوشیارپوری

تُو نے دیکھی ہے جو عرش پر روشنی
معتبر ہے وہی، معتبر روشنی

یاد تیریؐ ہے خیر الوریٰؐ زندگی
ذکر تیراؐ ہے خیر البشرؐ، روشنی

علمِ قرآن سے مل رہی ہے ہمیں
شاہؐ ابرار، شام و سحر روشنی

ساتھ تیرےؐ رہی ہے جو گردِ سفر
بن گئی ہے وہ گردِ سفر روشنی

شہر طیبہ، کہ مینارۂ نور ہے
رہگزر روشنی، بام و در روشنی

تیرےؐ ادراک کا جس کو عرفان ہے
اس کو آتی ہے ہر سو نظر روشنی

حسنِ کردار سے، حسنِ ایثار سے
تُو نے بانٹی ہے خیر البشرؐ روشنی

تیرےؐ نقشِ قدم چوم کر بن گئیں
منزلیں روشنی، رہگزر روشنی

تیرےؐ انوار سے، آفتابِؐ حرا!
ظلمتیں بن گئیں سر بسر روشنی

چاند تاروں کی ہوتی پرستش، تو کیوں
دیکھ لیتی یہ دنیا اگر روشنی

جس کے لب پر رہے وِردِ صلِّ علیٰ
ساتھ اس کے رہے عمر بھر روشنی

مانگ لے آفتابِؐ حرا سے طفیل
جس کو مطلوب ہو، جس قدر روشنی

☆ کیا اسلامی نظام کا عملی نفاذ نہایت مشکل کام ہے؟
☆ اگر خود کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو دوسروں کو برائی سے روکنا چاہئے؟
☆ قیامِ پاکستان کے بعد پیدا ہونے والی نسل اپنے بزرگوں کی طرف سے کی گئی عہد شکنی پر مسئول ہوگی؟

سوال: قرآن مجید میں نو مقامات پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر آیا ہے۔ ایک معروف حدیث میں غلط کام کو پہلے ہاتھ سے' پھر زبان سے اور پھر دل سے برا سمجھنے کا تذکرہ ہے۔ تبلیغی جماعت نہی عن المنکر پر عمل نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں کہا جاتا ہے کہ اگر خود کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو دوسروں کو برائی سے نہیں روکنا چاہئے۔ قرآن میں بھی ہے کہ اپنے نفس کو ذلیل مت کرو۔ براہ مہربانی راہنمائی فرمائیں کہ کیا بات صحیح ہے۔

جواب: اس ضمن میں میری رائے یہ ہے کہ نہی عن المنکر کا کام ہر حالی میں کرنی چاہئے' البتہ ''بالید'' یعنی قوت وطاقت کے ذریعے کرنے کا مرحلہ وہ ہے جس کے لئے پہلے قوت فراہم کرنا ہوگی۔ اس فریضے کی زبان سے ہر وقت ادائیگی میرے نزدیک ہر شخص کے دین وایمان کا تقاضا ہے کیونکہ خاموش رہنا اور صرف دل میں نفرت کرنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔ ایک دوسری حدیث کے مطابق اس کے بعد تو ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہتا۔ اس حوالے سے کسی بھی شخص کا قول حضرت محمد ﷺ کے قول سے اونچا نہیں ہے۔ البتہ نہی عن المنکر بالید کی شرط یہ ہے کہ پہلے قوت پیدا کی جائے۔ اس کی سادہ ترین مثال یہ ہے کہ مکہ میں سب سے بڑا منکر بت پرستی تھا۔ حضور اکرم ﷺ تیرہ برس تک یہ تو کہتے رہے کہ یہ غلط ہے لیکن اس دوران کسی بت کو توڑا نہیں۔ کسی بت کو ہاتھ تک نہیں لگایا بلکہ اس کے برعکس اسی کعبہ کا طواف جاری رکھا جس میں کہ بت موجود تھے۔ زبان سے منکر کی مذمت کا کام ہو رہا تھا لیکن ہاتھ سے نہیں۔ جب صحابہ کرامؓ کی جماعت تیار ہوئی تو پھر جہاد وقتال کے مرحلے آئے اور ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہو کر آپؐ نے ایک ایک بت کو توڑا۔ یہ ہے اصل میں سیرت النبیؐ کے حوالے سے ہمارے سامنے عملی نمونہ کہ غلط بات کو قولاً غلط کہنا تو آپ کے ایمان کا تقاضا ہے۔ اس پر اگر خاموشی اختیار کی جائے گی تو دل کے اندر سے ایمان رخصت ہونا شروع ہو جائے گا اور پھر مصلحتیں آپ کو کبھی زبان کھولنے نہیں دیں گی۔ لیکن اس کے لئے جو اقدام اور بالید کا مرحلہ ہے' اس کے لئے پہلے دعوت اور تربیت کے مرحلے سے ایک ایسی اجتماعی قوت فراہم کرنا ہوگی جو ان مراحل سے گزرے اور پھر ایک انقلاب لائے۔

سوال: کیا اسلامی نظام کا عملی نفاذ نہایت مشکل ہے؟

جواب: یقیناً بہت مشکل ہے۔ اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن جلیل القدر رسولوں کا بار بار تذکرہ ملتا ہے اُن میں سے کوئی بھی اللہ کے دین کو دنیا میں بالفعل قائم نہیں کر سکا ہے' سوائے حضرت محمد ﷺ کے۔ حضور اکرم ﷺ پر نبوت ورسالت کامل ہوگئی اور آپؐ کے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہوا۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک بڑا مشکل کام ہے۔ اور میں کبھی نہ مانتا کہ یہ کام دوبارہ ہو سکتا ہے اگر یہ خبر نبی اکرم ﷺ نے نہ دی ہوتی کہ یہ ہو کر رہے گا۔ یہ حضور ﷺ پر تکمیلِ رسالت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے کہ اللہ کے دین کا غلبہ پوری دنیا پر ہو کر رہے گا۔ حضور ﷺ کی ایک حدیث کے مطابق کرہ ارضی پر کوئی ایک گھر ایسا نہیں رہ جائے گا جس میں کہ اللہ کا دین داخل نہ ہو جائے۔ اسی سے ہمیں یہ امید ہوتی ہے کہ محنت کریں اور جدوجہد کریں کہ ہماری زندگیوں میں نہ سہی' اگلی کسی نسل میں یہ کام ہو کر رہے گا۔ ثانیاً یہ بات ذہن میں رہے کہ بحیثیت مسلمان ہم پر ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ دین کے غلبہ واقامت کے لئے جدوجہد کریں اور اپنا تن من دھن لگا دیں۔ اسی لئے ہم لگے ہوئے ہیں' ہمارے ہاتھوں اسلامی نظام قائم ہو یا نہ ہو' ہمیں زندگی کے آخری سانس تک اس کی جدوجہد جاری رکھنی ہے۔ باقی یہ کہ اسے آسان کام نہ سمجھنا چاہئے۔ یہ بہت کٹھن کام ہے' اس لئے کہ یہاں آپ کو مادیت کے برعکس روحانیت کی رو چلانی ہے اور دنیا کی بجائے آخرت کو ترجیح دینی ہے۔ میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ سب باتیں آپ کے مستحضر رہنی چاہئیں۔

سوال: آپ نے فرمایا تھا کہ پاکستان میں موجودہ انتشار اور بگاڑ کی اصل وجہ وہ عہد شکنی ہے جو اس خطے کے مسلمانوں نے آزاد وطن کے حصول کے بعد یہاں اللہ کا قانون نافذ نہ کر کے کی ہے اور اس کی سزا کے طور پر ہم پر نفاق مسلط کر دیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس سزا میں وہ نوجوان بھی شریک ہیں جو اس عہد کے بندھتے وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے اور وہ بھی تا قیامِ قیامت اس ناکردہ جرم کی سزا بھگتیں گے؟

جواب: یہ سوال بہت اہم ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہ طے ہے کہ جب آئندہ نسلیں اپنے اکابر ہی کے نقشِ قدم پر چلیں گی تو گویا کہ وہ اسی جرم کی مرتکب ہیں جو ان کے اکابر نے ابتدا میں کیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ کے چھٹے رکوع سے ﴿یٰبنی اسرائیل﴾ سے جو بات شروع ہوتی ہے اس میں بنی اسرائیل یعنی یہود وہ جرائم بھی بیان ہو رہے ہیں کہ جو ان سے صدیوں پہلے ہو گئے ہیں حالانکہ جو بنی اسرائیل حضور اکرم ﷺ کے دور میں موجود تھے انہوں نے وہ کام نہیں کئے تھے۔ لیکن یہ کہ جب ایک تسلسل چلا آ رہا ہے اور آپ بھی انہی کے راستے پر چل رہے ہیں تو گویا کہ آپ بھی اسی جرم کے اندر شریک ہیں۔ یہ قرآن مجید کے حوالے سے میں نے آپ کے سامنے بات رکھ دی ہے۔ البتہ نوجوانوں کے لئے موقع ہے کہ وہ سوچیں آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ نوجوان اگر اپنے دنیاوی حقوق کے لئے کھڑے ہو سکتے ہیں' منظم ہو سکتے ہیں' قربانیاں دے سکتے ہیں تو آخر دین کے مسئلہ پر یہ سب کچھ کیوں نہیں ہو سکتا! اس صورت حال کو بدلیں گے تو گویا کہ یہ ہماری ایک اجتماعی توبہ ہوگی۔ اگر دنیاوی مقاصد اور مفادات کے لئے منظم تحریکیں چل سکتی ہیں تو دین کے لئے دس گنا زیادہ اہتمام ہونا چاہئے۔ اگر یہ نہیں ہو رہا ہے تو آپ محض یہ کہہ کر نہیں چھوٹ سکتے کہ وہ تو صرف ہمارے اگلوں کا جرم تھا۔ اس جرم کے آپ بھی مرتکب ٹھہریں گے اور اس کی سزا کے مستوجب ہوں گے۔

تنظیم	اسلامی	کا	پیغام
نظام	خلافت	کا	قیام

معرفت‘ اطاعت اور محبت

ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ’’میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے مخلوق کی تخلیق کی‘‘۔

سوال یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس کے اشارے ہمیں قرآن مجید کے مختلف مقامات پر ملتے ہیں جن میں سب سے جامع مقام دوسرے پارے کے رکوع نمبر ۴ کا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کا طریقہ یوں بیان فرمایا ہے:

’’بے شک زمین اور آسمانوں کی تخلیق میں اور دن رات کے الٹ پھیر میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے سمندر میں رواں دواں ہیں اور اس بارش میں جو ہم آسمان سے نازل کرتے ہیں تاکہ اس سے پھلوں کی افزائش تمہارے رزق کا ذریعہ بنے اور تمام حشرات الارض میں عقلمندوں کے لئے اللہ کی نشانیاں موجود ہیں۔‘‘

ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی مجسم ہستی تو ہے نہیں کہ اس کی معرفت اس کی دید سے حاصل ہو۔ دنیا میں جو آنکھیں ہمیں عطا کی گئی ہیں اس کے ذریعے ہم اس کے دیدار کے متحمل تو ہو نہیں سکتے۔ ہماری کیا مجال جبکہ اللہ تعالیٰ کے اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰؑ تجلی ربّ کے مشاہدے کی تاب نہ لاسکے اور بیہوش ہوکر گر پڑے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہم اس کی صفات پر کامل یقین کے ذریعے حاصل کرسکتے ہیں یا پھر اس کی ان آیات کے مشاہدے سے جو اس وسیع و عریض کائنات میں بکھری پڑی ہیں یا پھر ان نشانیوں کے حوالے سے جو ہماری ذات کے اندر موجود ہیں یا پھر آیات قرآنی پر یقین کامل سے۔ بہت خوبصورت شعر ہے جو امیر محترم اکثر و بیشتر اپنے خطابات کے دوران پڑھا کرتے ہیں:

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ
تو زغنچہ کم نہ دمیدہ ای، در دل کشا بچمن درآ

یعنی ’’یہ کتنے ستم کی بات ہے کہ تمہاری ہوس تمہیں سرو سمن کی سیر کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہے۔ تو کسی غنچہ سے کم نہیں، اپنے دل کے دروازے کھول اور اپنے اندر کے چمن کی سیر کر‘‘۔

مذکورہ بالا رکوع میں آگے چل کر معرفت ربانی کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسے بیان کیا گیا ہے۔ ’’اور اہل ایمان تو اللہ کی محبت میں شدت اختیار کرنے والے ہیں‘‘۔ ہم اس حقیقت کا مشاہدہ اپنے گھر سے کرسکتے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ جیسے جیسے بچہ میں اپنے والدین کی پہچان گہری ہوتی چلی جاتی ہے‘ ویسے ویسے اس کے دل میں ان کی محبت بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہ سارا کچھ اسے لاشعوری طور پر حاصل ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کے تذکرے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ کبھی آپ نے غور فرمایا ایسا کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق حقیقی ہے لہٰذا اس کا تقاضا ہے کہ اس کے حقوق کو اولیت دی جائے۔ لیکن دنیا میں انسان کی تخلیق کا ذریعہ تو اس کے والدین ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا خالق حقیقی کب چاہے گا کہ جن کو اس نے انسانوں کا خالق مجازی بنایا ہے ان کی بے توقیری ہو۔

بات ہو رہی تھی محبت کی۔ دنیا کے کسی رشتے کو بھی

محمد سمیع‘ کراچی

لے لیں‘ اس میں پختگی آ ہی نہیں سکتی جب تک ان کے درمیان محبت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے لیکن ان کی اطاعت کلی ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس میں محبت کا عنصر شامل نہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم میں سے عشرۂ مبشرہ‘ اصحاب بدر اور اصحاب الشجرہ کا مقام جنہیں عطا ہوا ان میں عشق رسول کس درجہ تک پہنچا ہوا تھا اس کا اندازہ ان کی سیرت کے مطالعہ ہی سے ہمیں معلوم ہوسکتا ہے۔ والدین اور اولاد کے درمیان محبت کے جذبہ کا مشاہدہ ہم دن رات کرتے ہی رہتے ہیں۔ استاد اور شاگرد کے رشتہ کو لے لیں۔ جو استاد اپنے شاگردوں سے جتنی زیادہ شفقت کا برتاؤ کرتے ہیں‘ ان کے شاگرد ان سے اتنی ہی ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں‘ نتیجتاً وہ اتنا ہی زیادہ کسب علم کرتے ہیں۔ جو استاد ہر وقت شاگردوں پر مولا بخش کو متحرک رکھتے ہیں‘ کیسے ممکن ہے کہ شاگردوں کے دلوں میں ان کے لئے محبت کے جذبات پیدا ہوں۔ اور جب استاد سے محبت نہیں تو لازماً معاملہ برعکس ہوگا۔

امیر و مامور کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں ہوتا۔ جب تک مامور کے دل میں امیر کی محبت جاگزیں نہ ہو‘ مشن سے اس کی وابستگی گہری نہیں ہوسکتی۔ جو کسی تحریک کا داعی اول ہو، اس کی حد تک تو عموماً محبت کا معاملہ کسی نہ کسی درجے میں ہوتا ہی ہے۔ مسئلہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں داعی کے تحت امراء کا ایک سلسلہ Chain ہو۔ ظاہر ہے کہ اب معاملہ ویسا نہیں رہتا اور یہ بات بالکل فطری ہے۔ انسان چاہے بھی تو اپنے دل میں دیگر ذمہ داران کی محبت اس درجے میں پیدا نہیں کرسکتا جتنا کہ داعیٔ تحریک کے معاملے میں ہوتا ہے۔ تاہم آئیڈیل بات تو یہی ہے کی حتی الامکان ان کے ساتھ بھی معاملہ ویسا ہی ہو۔ اگر ہم اپنے ذہن میں حضور ﷺ کا وہ ارشاد گرامی ہر دم مستحضر رکھیں کہ ’’جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی‘‘ تو اس سے ہمیں کافی مدد مل سکتی ہے۔ اصلاً تو ہم تنظیم میں اس لئے شامل ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سامان پیدا ہو‘ باقی رہی تنظیم کے مرکزی امیر‘ اس کے ماتحت امراء کا معاملہ یا کوئی اور معاملہ‘ ان سب کے تقاضے کی تکمیل‘ اللہ کی رضا کے حصول کے ذرائع ہیں۔ اگر ہم ان ذرائع ہی سے اغماض برتیں گے تو نصب العین کا حصول کیسے ممکن ہوگا!!

☆ ☆ ☆

اسوۂ حسنہ

رسول اللہ ﷺ کی تواضع اور انکسار

تواضع اور عاجزی انسانی کردار کا خاصہ ہے۔ اس کے بغیر کوئی بھی انسانی کردار مکمل نہیں ہوسکتا۔ نبی کریم ﷺ کی یہ لازمی صفت تھی۔ یہ تواضع ہی تھی کہ آپؐ خچر اور گدھے پر سوار ہو جاتے۔ دوسرے کو سوار کر لیتے۔ مسکینوں‘ غریبوں کی عیادت فرماتے۔ فقراء کے برابر جا بیٹھتے۔ صحابہ کے درمیان مل جل کر بیٹھ جاتے اپنی نشست کے لئے نہ جانب صدر کی ضرورت سمجھتے‘ نہ کوئی امتیازی نشان بناتے۔ غلاموں اور خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ بازار سے خود سودا خریدتے اور خود اٹھا کر لاتے۔ اپنے جانوروں کو خود چارہ ڈالتے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے کام کاج بلاجھجک خود کر ڈالتے۔ یہ سب اسی صورت میں تھا کہ خادم اور خادمائیں ہر دم خدمت کے لئے موجود ہوتے۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ نبی کریم ﷺ صبح کو تشریف لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ آپؐ پر جو چادر تھی‘ وہ چار درہم سے زیادہ کی نہ ہوگی۔

بنو قریظہ کے یہودیوں سے ملنے گئے تو اس دن گدھے پر سوار تھے۔ اس کی باگ کھجور کے پٹھے کی رسی سے بنی ہوئی تھی اور اس کی پشت پر صرف کھجور کی صف پڑی ہوئی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے پیجامہ خریدا۔ اٹھنے لگے تو دکاندار نے بوسہ دینا چاہا۔ آپؐ نے جھٹ اپنا ہاتھ پیچھے ہٹالیا اور فرمایا: ’’یہ تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تم ہی میں سے ایک ہوں‘‘۔ (رحمۃ اللعالمین جلد دوم)

کاروان خلافت منزل بہ منزل

ماہ مارچ میں حلقہ سرحد (شمالی) کی دعوتی سرگرمیاں

☆ ماہانہ تربیتی اجتماع برائے بالائی علاقہ جات جامع مسجد نزد مرکز تنظیم اسلامی تیمر گرہ میں ۹ مارچ کو عصر کے بعد شروع ہو کر اگلی صبح نو بجے تک جاری رہا۔ نماز عصر کے فوراً بعد جناب فیض الرحمٰن نے سورۃ العصر کے حوالے سے راہ نجات پر بات کی۔ مغرب کے بعد جناب شاہ وارث نے فکر آخرت پر آیات و احادیث سے مزین گفتگو کی۔ اس کے بعد تعارفی نشست ہوئی۔ عشاء کے بعد جناب قاضی فضل حکیم نے "کلمہ شہادت کے عملی تقاضے" بورڈ کی مدد سے واضح کئے۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔ نماز فجر کے بعد جناب ممتاز بخت نے سورۂ "ق" کے دوسرے رکوع کا درس دیا۔ جناب گل رحمٰن نے "اسلام کا طرز معاشرت" کے موضوع پر عام فہم خطاب کیا۔ اس کے بعد جناب قاضی فضل حکیم نے تجوید کے حوالے سے پہلا سبق پڑھایا۔ ناشتے کے بعد جناب شوکت اللہ شاکر نے سورۃ العلق کی باترجمہ مشق کرائی۔ جناب عالم زیب نے نقیب اسرہ کے فرائض سمجھائے۔ اجتماع کا آخری پروگرام آزمائش کا تھا جس میں جناب محمد فہیم نے "فرائض دینی کا جامع تصور" پر رفقاء سے تحریری سوالات کئے۔

☆ ماہ مارچ کا سب سے اہم اور بڑا پروگرام مرکزی جامع مسجد عید گاہ' مردان میں "عظمت قرآن" کے موضوع پر امیر محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب عام تھا جس میں تقریباً سات سو افراد نے شرکت کی۔ یہ پروگرام ۱۲ مارچ کو منعقد ہوا۔ ۵۰۰۰ ہینڈ بلز' ۵۰۰ پوسٹرز' ۵۰۰ دعوت نامے' ۴۰ عدد بینرز تیار کئے گئے جنہیں حلقے کے طول و عرض میں تقسیم کرنے کے لئے رفقاء و احباب نے شب و روز محنت کی۔ مقامی اور قومی اخبارات میں پریس ریلیز اور اشتہارات کی صورت میں دعوت عام دی گئی۔ مقررہ دن کو مسجد کا وسیع و عریض صحن قرآنی آیات اور احادیث سے مزین کیا گیا۔ نماز عصر ہی سے لوگوں کی آمد شروع ہو گئی اور مغرب تک ہال بھر چکا تھا جس کے بعد اضافی صفیں لگانا پڑیں۔ نماز کی ادائیگی کے بعد امیر محترم نے پورے ڈیڑھ گھنٹہ بھرپور خطاب کیا۔ طویل سفر' پیرانہ سالی اور بیماری کی وجہ سے امیر محترم دشواری تو محسوس کر رہے تھے لیکن اپنے قال کے علاوہ اپنے حال سے ہمیں دعوت دے رہے تھے کہ میں نے زندگی سے مذاق نہیں کیا۔ اس موقع پر ایک بڑا مکتبہ بھی لگایا گیا تھا جس سے سینکڑوں لوگوں نے کتابیں خریدیں۔

☆ اسرہ بدرشی کے زیر اہتمام ایک دعوتی اجتماع بلال مسجد میں ۲۱ مارچ کو بعد نماز مغرب منعقد ہوا۔ جناب قاضی فضل حکیم نے "شہادت حسینؓ اور ہم" کے حوالے سے خطاب کیا۔

☆ ۲۲ مارچ کو مغرب کے بعد اسرہ بدرشی ہی کے زیر اہتمام ایک دعوتی اجتماع مسجد توحید و رسالت' لوکوشیڈ' نوشہرہ میں ہوا جس میں جناب قاضی فضل حکیم نے "شہادت حسینؓ کا اصل پس منظر" وضاحت سے پیش کیا۔

☆ ماہانہ تربیتی اجتماع برائے زیریں علاقہ جات ۲۳ مارچ کو صبح ۱۰ بجے سے شام ۴ بجے تک منعقد ہوا جس میں صوابی' چارسدہ' نوشہرہ اور بونیر کے ۴۰ رفقاء نے شرکت کی۔ آغاز سورۃ النجم کے درس قرآن سے ہوا جس کی ذمہ داری مولانا حضرت گل استاد نے ادا کی۔ پھر جناب عبداللہ نے "اخلاق" کے موضوع پر جامع خطاب کیا۔ اس کے بعد امیر حلقہ جناب اظہر بختیار خلجی نے "اسلام کے معاشی نظام" کی بورڈ کی مدد سے وضاحت کی۔ جناب قاضی فضل حکیم نے مطالعۂ لٹریچر میں "عزم تنظیم" نامی کتاب کا خلاصہ پیش کیا۔ کھانے کے وقفہ اور نماز ظہر کے بعد جناب ڈاکٹر حافظ محمد مقصود نے منتخب نصاب میں سے "حظ عظیم" کا درس دیا اور ساتھ ہی علامہ اقبال کی نظم "لا الہ الا اللہ" کی تشریح بھی پیش کی۔ تجوید و ترجمہ کے حوالے سے حافظ محمد حامد نے سورۃ العلق کی مشق کرائی۔ آخر میں جناب نصر اللہ نے سورۃ النباء کا لفظی ترجمہ پیش کیا۔

☆ ماہ مارچ کا آخری پروگرام اسرہ پنج پیر کا دعوتی اجتماع تھا جو ۲۸ مارچ کو جامع مسجد زیدہ' ضلع صوابی میں منعقد ہوا۔ نماز مغرب کے بعد جناب قاضی فضل حکیم نے "مطالبات قرآن" کے حوالے سے بورڈ کی مدد سے ۴۰ منٹ خطاب کیا۔

(مرتب کردہ: شعبہ دعوت و تربیت)

تنظیم اسلامی لاہور (شرقی) کے زیر اہتمام سہ روزہ دعوتی و تربیتی پروگرام

یہ پروگرام ۱۳ تا ۱۵ مئی روزانہ عصر تا فجر منعقد ہوا' جسے مرکز کی طرف سے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس پروگرام کا عنوان تھا: "اللہ کے لئے تین راتیں چار مرکزی قائدین کے ہمراہ گزاریں۔"

پروگرام کا آغاز ۱۳ مئی کو بعد نماز عصر ہوا۔ مرکزی ناظم دعوت و تربیت جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر نے شرکاء کو پروگرام کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد رفقاء نے مغرب کے بعد ہونے والے مختلف دروس قرآن کے لئے متعلقہ علاقوں میں دعوت دی۔ اس مہم میں ناظم دعوت و تربیت خود بھی شریک ہوئے۔ نماز مغرب کے بعد جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر نے القدس مسجد' ٹاؤن شپ میں "بندگی رب" جناب خالد محمود عباسی نے ماڈل ٹاؤن میں ایک رہائش گاہ پر "فرائض دینی کا جامع تصور" اور نائب ناظم دعوت و تربیت جناب شاہد اسلم نے پنجاب سوسائٹی میں ایک رہائش گاہ پر "عبادت رب" کے موضوع پر درس قرآن دیا۔ ان اجتماعات میں احباب کی حاضری بالترتیب ۱۵' ۵۰ اور ۳۰ تھی۔ نماز عشاء کے بعد قرآن اکیڈمی میں جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر نے اقامت دین کی جدوجہد میں جماعت کی اہمیت پر خطاب فرمایا۔ اس کے بعد آرام کا وقفہ ہوا۔ نماز فجر سے قبل ناظم دعوت و تربیت نے نوافل' اذکار مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے بارے بتایا۔ فجر کے بعد جناب شاہد اسلم نے "نظم کے تقاضے اور ہم" کے موضوع پر مختصر مگر جامع خطاب کیا۔

دوسرے دن نماز عصر کے بعد تین تین رفقاء پر مشتمل جماعتوں نے مختلف علاقوں میں اسلامی نظام کے حوالے سے مرتب کردہ ہینڈ بل تقسیم کیا اور ساتھ ہی تیسرے دن نائب امیر جناب حافظ عاکف سعید کے خطاب کی دعوت بھی دی۔ مغرب کے بعد پہلے دن ہی کی جگہوں پر دروس قرآن کے پروگرام ہوئے جن میں احباب کی حاضری بالترتیب ۱۵' ۲۵ اور ۴۲ رہی۔ بعد نماز عشاء جناب چوہدری رحمت اللہ بٹر نے "انقلابی کارکنوں کے بنیادی اوصاف" پر خطاب فرمایا۔ پروگرام کے اختتام پر طعام اور آرام کا وقفہ ہوا۔ نماز فجر سے قبل نوافل ادا کئے گئے اور اذکار مسنونہ' ادعیہ ماثورہ پڑھی گئیں۔ فجر کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر نے "باطنی و ظاہری بیماریاں اور ان سے بچاؤ کی تدابیر" کے موضوع پر خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ رفقاء کو اپنی زندگی میں احتساب کی روش اختیار کرنی چاہئے۔

آخری دن نماز عصر کے بعد جناب رحمت اللہ بٹر نے ہوٹل "فوڈان" میں "ہر دکھ کی دوا — نظام مصطفیٰ ﷺ" کے موضوع پر خطاب کیا' جس میں ۵۱ رفقاء و احباب نے شرکت کی۔ مغرب کے بعد نائب امیر تنظیم اسلامی جناب حافظ عاکف سعید نے "موجودہ حالات میں مسلمانان پاکستان کے لئے کرنے کا اصل کام" کے موضوع پر فکر انگیز خطاب فرمایا۔ اس میں رفقاء و احباب کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ انہوں نے کہا کہ آج ہر طرف مایوسی کے بادل چھائے ہوئے ہیں' ملک میں سیاسی استحکام کہیں نظر نہیں آتا' مذہبی جماعتیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم ہیں' امریکہ فرعون بنا ہوا ہے' ۵۶ ممالک کے ۱۴۰ کروڑ مسلمان ہر جگہ پستی' بدحالی' بے حمیتی کا شکار ہیں۔ کیوں؟ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ سے کیا ہوا وعدہ بھلا دیا ہے۔ یہ ذلت [illegible] ہمارے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اس سے بچنے کی ایک ہی [illegible] ہر شخص اجتماعیت میں شامل ہو کر اقامت دین کی جدوجہد [illegible] نماز عشاء کے بعد رفقاء نے پروگرام کے حوالے سے [illegible] مشورے دیئے۔ جون' جولائی میں سہ روزہ پروگرام کے لئے جناب شاہد اسلم نے رفقاء کو ترغیب دلائی جس کے نتیجے میں تقریباً ۲۵ رفقاء نے اپنے نام لکھوائے۔ آرام کے بعد نماز فجر سے قبل نوافل ادا کئے گئے اور اذکار مسنونہ' ادعیہ ماثورہ کے بارے میں بتایا گیا۔ فجر کے بعد جناب حافظ عاکف سعید نے "امیر اور مامور کے باہمی تعلقات" پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایک نظم میں ہر فرد اکیلے کام نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے ہر یونٹ کا ایک سربراہ ہوتا ہے' جو نقیب کہلاتا ہے۔ اسی طرح مقامی تنظیم کا سربراہ امیر حلقہ کہلاتا ہے۔ ان میں یعنی امیر اور مامور میں آپس کے تعلقات انتہائی قریبی' خوش گوار اور دوستانہ ہونے چاہئیں۔ امیر پر لازم ہے کہ وہ ہر رفیق کو اس کی اہلیت اور استطاعت کے مطابق کام دے۔ اسی طرح رفیق کو چاہئے کہ وہ تفویض کردہ کام کو اچھے طریقے سے انجام دے۔ جماعتی زندگی میں اگر کوئی مامور اپنے امیر کا حکم نہ مانے تو وہ تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔

(رپورٹ: عبدالمتین مجاہد)

جھنگ میں اکیس روزہ تفہیم دین کورس

جھنگ میں ''دعوۃ الی القرآن'' کے سلسلہ میں میٹرک کے امتحانات سے فارغ طلباء و اساتذہ کے لئے امسال بھی اکیس روزہ تفہیم دین کورس مسجد عبیداللہ'' محلہ سلطانوالہ' جھنگ صدر میں منعقد کیا گیا۔ ۲۳ مارچ کو افتتاحی نشست سے جناب مختار حسین فاروقی نے ''علم کی اہمیت'' پر خطاب کیا۔ اس کلاس کا دورانیہ عصر تا مغرب رہا جس میں عربی گرامر' قواعد تجوید' مسائل نماز' مطالعہ حدیث' اسلامی لٹریچر کی تعلیم دی گئی۔ کلاس میں تدریسی فرائض رانا اعجاز احمد ایڈووکیٹ' حافظ محمد اشفاق اور جناب محمد انور سعید نے ادا کیے۔ مجموعی طور پر اس کلاس کو بہت پسند کیا گیا اور طلباء نے ذوق و شوق سے شرکت کی۔ ۱۷/ اپریل کو صوفی محمد جاوید اسلام کے بیان و دعا سے کورس کا اختتام ہوا۔

نومبر ۹۸ء سے قائم انجمن خدام القرآن' جھنگ بحمداللہ ترقی کی منازل طے کر رہی ہے۔ صدر انجمن محترم جناب مختار حسین فاروقی ایک متحرک شخصیت ہیں۔ اجلاس عاملہ' عربی کلاسز' قرآنی تربیت گاہ' اسلامی لیکچرز' خطبات جمعہ او ہفت روزہ' پندرہ روزہ' ماہوار دروس قرآن کے پروگرام سال بھر باقاعدگی سے جاری رہتے ہیں۔ الہدیٰ لائبریری میں کتب و کیسٹس کا کافی ذخیرہ ہے۔ قرآن اکیڈمی کے لئے بحمداللہ جگہ حاصل کر لی گئی ہے۔ میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت باقاعدگی سے رفقاء و احباب میں تقسیم ہوتے ہیں۔ صدر انجمن جو کہ تنظیم اسلامی پنجاب (وسطی) کے امیر بھی ہیں' کا ماہوار دورہ ٹوبہ' گوجرہ' لیہ' چنیوٹ وغیرہ بھی ہوتا ہے جہاں باہمی روابط کے ذریعے مختلف دعوتی و تربیتی پروگرام منعقد ہوتے ہیں۔

(مرتب: معتمد انجمن)

تنظیم اسلامی کراچی شرقی (1) کا ماہانہ دعوتی پروگرام

اس ماہ کے دعوتی پروگرام کا موضوع ''نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں'' تھا۔ حسب معمول' پروگرام سے قبل موضوع سے متعلق نوٹس پر مبنی ایک پمفلٹ حاضرین میں تقسیم کیا گیا تا کہ دوران تقریر وہ اس سے استفادہ کر سکیں۔ جناب انجینئر نوید احمد نے کہا کہ ماہ ربیع الاول میں عموماً ایک ایسی فضا قائم ہو جاتی ہے کہ لوگوں کا رجحان سرور عالم ﷺ کی سیرت سننے کی طرف ہوتا ہے۔ عموماً اس ماہ میں سیرت کے جلسے' سیمینارز' کانفرنسیں اور محافل نعت سجائی جاتی ہیں اور جلوس نکالے جاتے ہیں۔ اگرچہ ان تمام مواقع پر جذبۂ محرکہ عشق رسول ﷺ ہی ہوتا ہے لیکن ہمیں بہرحال اس بات کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ شرک و بدعت سے جس حد تک ممکن ہو' اجتناب کیا جائے۔ ہمیں نبی اکرم ﷺ سے اپنے تعلق کی بنیادوں کا علم ہونا چاہئے اور اس کے لئے ہمیں سورۃ الاعراف سے رجوع کرنا ہوگا جس میں چار بنیادوں کی طرف رہنمائی کی گئی ہے: ۱) رسول اللہ ﷺ پر ایمان' ۲) آپ کی تعظیم و توقیر' ۳) آپ کی نصرت' ۴) آپ پر نازل ہونے والے نور (قرآن مجید) کی اتباع۔ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے' یہ ہم سب کو میسر ہے تاہم اسے قلب کی گہرائیوں تک جاگزیں کرنے کے لئے ہمیں اپنے طرز عمل کا جائزہ لینا پڑے گا۔ آپ کی تعظیم و توقیر کے لئے ہمارے ذہنوں میں قرآن کریم کی وہ ہدایت مستحضر رہنی چاہئے کہ جس میں مومنوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اگر خدانخواستہ ان کی آواز نبی ﷺ کی آواز سے بلند ہو جائے تو سارے اعمال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ اگر ہم نبی اکرم ﷺ کی نصرت کی خاطر اپنا تن من دھن ان کے لائے ہوئے نظام عدل اجتماعی کے نفاذ کی جدوجہد میں کھپا رہے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ عشق رسول ﷺ کا ہمارا دعویٰ مبنی برحق ہے۔

اس پروگرام میں شرکاء کی تعداد پہلے تمام پروگراموں سے زیادہ تھی۔ ۴۲ احباب' ۱۷ خواتین اور ۳۰ رفقاء اس پروگرام میں شریک تھے۔ اسی موضوع پر ایک پروگرام شرقی (۵) کے تحت گلستان انیس کلب میں ہوا جس میں مقرر کے فرائض جناب اعجاز لطیف نے انجام دیئے۔ اس پروگرام میں رفقاء و احباب کی تعداد ۶۵ تھی جبکہ ۲۵ خواتین بھی شریک تھیں۔ (رپورٹ: محمد سمیع)

اسلامی قرآن کالج کا ہفتہ وار درس قرآن

یہ درس' قرآن کالج کے کامن روم میں ۱۸/ اپریل کو منعقد ہوا' جس کے مدرس جناب حافظ علاؤالدین تھے۔ انہوں نے سورۃ العصر کے حوالے سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسان کے خسارے میں رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف عمل کرتا ہے' جس کے نتیجے میں وہ بندگلی کے اندھیرے میں بھٹک جاتا ہے۔ اس کا علاج ایمان' اخلاق اور سچ پر عمل پیرا ہونے اور توکل کرنے میں ہے۔ قلبی سکون اور روحانی آسودگی کا نسخہ صرف اور صرف اسلام کے دواخانے ہی سے مل سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ محرومی کی آگ میں جل رہا ہے اور اس سے نجات کی کوئی راہ اسے دکھائی نہیں دیتی تو اسے ایک نہ ایک دن اسلام کی طرف رجوع کرنا ہی ہوگا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم سب مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنی مشکلات کے حل کے لئے کسی اور طرف رخ کر لیتے ہیں۔ انہوں نے رفقاء و احباب پر داڑھی رکھنے کی اہمیت واضح کرتے ہوئے بتایا کہ یہ فطرت کا تقاضا ہونے کے ساتھ ساتھ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ خصوصاً نبی اکرم ﷺ کی سنتِ مبارکہ بھی ہے۔ اس بارے میں متعدد احادیث ملتی ہیں جن میں آنحضور ﷺ نے صراحت کے ساتھ اور بڑے تاکیدی انداز میں صرف داڑھی رکھنے ہی کا نہیں بلکہ اسے بڑھانے کا بھی حکم دیا ہے۔ داڑھی منڈانا اور پست کرانا مشرکین اور مجوسیوں کا شیوہ تھا' لہٰذا ان کی مخالفت میں مسلمانوں کو داڑھیاں خوب بڑھانے کا حکم دیا گیا۔ غیر مسلموں کی وضع قطع اور ان کے طور طریقوں سے بچنا ہمارے دین کی مستقل تعلیم ہے۔ چنانچہ حدیث نبویؐ ہے: ''جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی تو (انجام کار) وہ انہی میں سے ہوگا۔'' دنیا میں کسی بھی قوم اور مذہب کا مستقل وجود اسی صورت میں قائم اور باقی رہ سکتا ہے جبکہ وہ وضع قطع اور تہذیب و ثقافت میں اپنی امتیازی خصوصیات برقرار رکھے۔ چنانچہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ملتِ اسلامیہ ان نظریاتی اور عملی امتیازات کا دل و جان سے تحفظ کرے جو دینِ اسلام کو دیگر مذاہب سے ممتاز کرتے ہیں اور جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کی اس کے باغیوں اور سرکشوں سے تمیز کی جا سکتی ہے۔ انہی امتیازات کو شعائرِ اسلام کہا جاتا ہے اور ان میں داڑھی بھی ایک اہم عنصر ہے۔

جناب حافظ علاؤالدین نے ایمان' نماز' تلاوت' اعانت اور دعوت دین کے موضوع پر بھی مختصر گفتگو کی۔ آخر میں دعا پر یہ درس اختتام پزیر ہوا۔ (رپورٹ: کرم داد خان بلوچ)

●●●●●●●

تاثرات

حلقہ خواتین لاہور کا سہ ماہی تربیتی پروگرام نہایت مفید رہا

تنظیم اسلامی حلقہ خواتین لاہور کے زیر اہتمام رفیقات کے لئے سہ ماہی تربیتی پروگرام ۲۶/ اپریل کی سہ پہر منعقد ہوا' جس میں شمولیت کی سعادت مجھے بھی نصیب ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے پروگرام وقت کی ضرورت بلکہ تمام خواتین کے لئے نہایت اہم ہیں۔ اس تربیتی پروگرام میں شامل خواتین میں سے کچھ نے تو نہایت پُرخلوص گفتگو کی جبکہ دوسری خواتین نے پوری دلجمعی کے ساتھ ان کے خیالات کو سنا' خاص طور پر جب ناظمہ علیا کی مصروفیات کا تذکرہ ہوا کہ وہ اس پیرانہ سالی میں کس قدر بھرپور زندگی گزار رہی ہیں تو نوجوان خواتین کے اندر جذبہ کار کے ساتھ ساتھ احساس فرض بھی بیدار ہوا اور انہیں عملی مثال دیکھ کر ترغیب بھی ہوئی۔

اسی طرح عورتوں کی صالح تربیت کا تذکرہ ہوا جو بڑا موثر تھا۔ اس میں بتایا گیا کہ معاشرے کے سدھارنے میں ایک عورت کا کردار واقعی vital ہے۔ ایک مقررہ نے رفیقات کی توجہ اس طرف دلائی کہ وقت انتہائی قیمتی چیز ہے۔ اسے اِدھر اُدھر کے فضول مشاغل میں ہرگز نہیں گزارنا چاہئے بلکہ فلاح و بہبود کے کاموں اور دین کی سربلندی کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔

گفتگو کے دوران پردے کی پابندی پر بھی زور دیا گیا اور حوصلہ افزا انداز میں بتایا گیا کہ شروع میں تو مشکلات پیش آئیں گی مگر جلد ہی دین کے تقاضا پر عمل کرنے کی وجہ سے روحانی خوشی نصیب ہوگی۔ ایک مقررہ نے سورۃ العصر کی جامعیت پر بات کی اور توجہ دلائی کہ اس سورۃ کو اس کے مضامین کی اہمیت کے پیش نظر اکثر پڑھتے رہنا چاہئے۔ ان مختصر مگر پُرخلوص تقاریر کے دوران ایک بچی نے ایسے پرتاثیر انداز اور گلوگیر لہجے میں اپنا تعارف کرایا کہ سامعات بھی اپنے آنسو نہ روک سکیں۔ الغرض یہ پروگرام نہایت موثر' مفید اور قابل تعریف تھا۔

(مرتبہ: ثریا بانو)

deserted areas at night, proves the point that Islamically prohibited interaction between the opposite sexes lead to such problems. As a matter of fact 6 out of 10 sexual assaults occur in the home of the victim or the home of a friend, neighbour or relative.(27) Only when we will be having millions and millions of out of wedlock births, more than 50% divorce rate or two in every three women raped, we would realize that the pain of separate education or working facilities for women is far less painful than going through the mental agony and other social and economic consequences - let alone having no ways and means to address the resultant problems. Actually, we blindly follow what is practiced in the West as modern. This can, by no standard, be classified as Reformation or Renaissance. Renaissance it would be, provided we make progress through following the Islamic teachings, as the Muslims did in the early 700 years after the death of Prophet Mohammed (PBUH). Of course the forces of liberalization and globalisation have now accelerated the changes that have taken place at social and economic levels. We need not stop the dynamics of change, we only need to guide it in the light of the Islamic principles - take what is good and leave what is bad, and prove, not only from the Islamic perspective but also from the Western experience, as to why some social ethos or practices are modern but harmful. Wishing to be integrated with the modern world is one thing and sacrificing our religious norms is quite another. When we run after the global culture we must not look at Internet, fast food, pop music, CNN, Star World, T-shirts and jeans alone. We must keep other aspects of global culture, such as school violence, out of wed-lock births, teenage pregnancy, divorce rate, rape, fatherlessness, different unnatural life-styles, AIDS, etc before our eyes as well. Of course, it is not possible to put the society in reverse gear or to survive in isolation? However, it depends on our perception to conclude whether accepting the sick ethos would put our society on the path to progress or developing systems to save us from the negative consequences of unbridled liberalism would hinder our progress. We definitely have choices. If we do not test good and bad on the touchstone of religion, we will surely be doomed.

End Notes:

(1)Public speech, Star of India, January 7, 1938.
(2)Public speech, Allahabad Star of India, January 8, 1938.
(3)Public speech, Gaya Railway Station, Star of India, January 11, 1938.
(4)Public speech at Gaya, Star of India, January 13, 1938, News Report, Star of India, December 24, 1938
(5)Public address, Divil and Military Gazette, October 12, 1938.
(6)Press Statement, Star of India, November 23, 1938
(7)Public speech, Star of India, April 08, 1939
(8)News Report, Civil and Military Gazette, March 26, 1940.
(9)Presidential address, special Pakistan session of Punjab Muslim students Federation, March 02, 1941, Speeches and Writings of Mr. Jinnah, Vol. 1, page 221-37
(10)Message, April 04, 1943, speeches and writings of Mr. Jinnah, Vol 1, page 471-73
(11)Interview to Beverly Nichos, January 11, 1944, QAP F-785/98-104.
(12)Message to editor Muslim Views, Columbo (Ceylon) on Holy Prophet's Birthday, Feb 05, 1945, cited in speeches, Statements and Messages of Qaid-e-Azam.
(13)Dawn, November 26, 1945
(14)Public Speech, Star of India, April 8, 1939
(15)Interview to New York Times' correspondent February 13, Hindustan Times, February 15, 1946.
(16)George A. Akerlof, An Analysis of Out-Of-Wedlock Births in the United StatesThis Policy Brief was prepared for the Fall 1996 issue of the Brookings Review and adapted from "An Analysis of Out-of-Wedlock Childbearing in the United States," which appeared in the May 1996 issue of the Quarterly Journal of Economics. August 1996, Brooking Institute.
(17)National Vital Statistics Report, Vol 49. No. 5 July 24, 2001.
(18)Cheryl Wetzstein, "Births Out of Wedlock to Young Women Increase," Washington Times, November 9, 1999.
(19)Fulfilling the Promise: Public Policy and U.S. Family Planning Clinics." Alan Guttmacher Institute, 2000.
(20)According to 1998 statistics, 84% American children live in single-parent homes. Sources: U.S. Census Bureau, National Center for Health Statistics, Americans for Divorce Reform, Institute for Equality in Marriage, American Association for Single People, Ameristat, Public Agenda.
(21)US statistics. Source: U.S. D.H.H.S., Bureau of the Census.
(22) US Criminal Justice & Behavior, Vol 14, p. 403-26, 1978.
(23)Fulton Co. Georgia jail populations, Texas Dept. of Corrections 1992
(24)Rainbows for all God's Children.
(25)3 million teens--about 1 in 4 sexually experienced teens--acquire an STD. AGI, Teenage pregnancy: overall trends and state-by-state information, New York: AGI, 1999, Table 1; and Henshaw SK, U.S. Teenage pregnancy statistics with comparative statistics for women aged 20- 24, New York: AGI, 1999, p. 5.
(26)SHOULD WE LIVE TOGETHER? What Young Adults Need to Know about Cohabitation before Marriage A Comprehensive Review of Recent Research David Popenoe and Barbara Dafoe Whitehead THE NATIONAL MARRIAGE PROJECT : The Next Generation Series.
(27)Greenfeld, Lawrence. (1997). Sex Offenses and Offenders: An Analysis of Data on Rape and Sexual Assault. Washington, DC: US Dept of Justice, Bureau of Justice Statistics.

——— The End ———

یہودی مشروبات کے بائیکاٹ کی مقبولیت

ملک کے مختلف شہروں سے موصولہ رپورٹوں کے مطابق یہودی مشروبات کوکا کولا' پیپسی وغیرہ کی کمپنیوں کی جانب سے اسرائیل کی امداد کے انکشافات کے بعد مسلمان عوام میں ان یہودی کمپنیوں کی مشروبات کے بائیکاٹ کی مہم کو کافی حد تک مقبولیت ملی ہے اور سخت گرمی کے سیزن میں بھی کوکا کولا اور پیپسی کی مانگ میں کمی آتی جا رہی ہے۔ سرحد' پنجاب اور بلوچستان سے موصول ہونے والی تین مختلف رپورٹوں میں بتایا گیا ہے کہ بہت سے ہوٹل مالکان اور مشروبات کے تاجران نے ان مشروبات کی فروخت بند کی ہے اور ان کی جگہ مقامی مشروبات کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ غیور مسلمانوں کی جانب سے یہودی مصنوعات و مشروبات کا یہ جرات مندانہ بائیکاٹ فلسطین کے مسلمانوں کے ساتھ ان کی ہمدردی اور حمایت کا اظہار ہے اور اس سے واضح ہے کہ مسلمان عوام اب آہستہ آہستہ صہیونی سامراج کے خلاف بیدار ہو رہے ہیں۔ یہودی کمپنیوں کا بائیکاٹ صہیونیت کی ایک اہم بنیاد پر ضربیں لگانے کے مترادف ہے اور حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس صہیونی مظالم کا جواب دینے کے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ یہودی مصنوعات کے بائیکاٹ کی مہم وسیع پیمانے پر چلائی جائے اور بالخصوص دینی و سیاسی جماعتیں اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں۔

(بشکریہ: روزنامہ "اسلام" ۲۱ مئی ۲۰۰۲ء)

Vol: 11 Regd.CPL No.127 No.20

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail: abidjan@tanzeem.org)

Our Fatal Misconceptions(2)

Authors of the planted articles in the Muslim press suggest that stifling the process of change would not allow the things to remain static: "There is a natural process which slowly and gradually brings about changes in response to felt needs and demands of society." We must not confuse felt needs and demands of a society with imposing alien norms like exotic plants. Cumulative effect of the norms contradictory to Islam will only be felt once they cross a threshold. Let's look at a few examples from the western world to see the socially and economic consequences and see if we are in a position to accept all "modern" norms and values without any differentiation. Let us consider the US as a leader of modernity and progress and look at different variables of liberalism and progress, and their consequences. In the US, in 1970 there were about 400,000 out-of-wedlock births out of 3.7 million total births. In 1990 there were 1.2 million out-of-wedlock births out of 4 million total. This ratio of out of wedlock births has increased despite the fact that the number of abortions to unmarried women grew from roughly 100,000 a year in the late 1960s (compared with some 322,000 out-of-wedlock births) to more than 1.2 million (compared with 715,000 out-of-wedlock births) in the early 1980s.(16) In 2000, about 400,000 non- marital births were to teens in the US.(17) The proportion of first babies conceived out of wedlock by young women in the 1990s nearly tripled from the 1930s -- rising to 53 per cent from 18 per cent. Experts say that having a child outside of marriage has become more acceptable socially, and is no longer condemned as vehemently by parents and schools.(18) This is the natural consequence of "modern" social ethos, which has multiple consequences beyond human control. Imagine the psychological and financial well being of children in a society where sixty per cent of the unmarried mothers are not living with fathers of their babies. This scheme of things greatly affects the overall health of a society. Going into such practices would not be less than a social suicide for Muslim societies. For instance, apart from proudly accepting 400,000 non-marital births to our teens, are we financially in a position to prevent 5.5 million teen pregnancies with the help of Title-X family planning.(19) Can we socially afford a women raped every three minutes? Can we financially afford the cost of criminal investigations of the rape cases, which even the US cannot afford, and evidence about millions of rape cases is lying without analysis and investigation? Can we afford 84% of our children living in single parent homes?(20) Can we afford at least 63% of youth suicides from the fatherless homes?(21) Can we afford 80 per cent of rapists motivated with displaced anger from fatherless homes?(22) Can we afford to incarcerate 85 per cent criminals of all youths grew up in a fatherless homes?(23) Can we afford chemical abuse centres for 75 per cent of all adolescent patients who would grow up in fatherless homes?(24) Can we afford to treat three million teens (1 in 4) every year, who would acquire sexually transmitted diseases?(25) The American researchers have come to the conclusion that the "underlying all of these trends is the broad cultural shift from a more religious to a more secular society focused on individual autonomy and self invention. The secular thought, holds that we can't realistically expect people to remain sexually abstinent from today's puberty at age eleven or twelve (even earlier for some) to marriage in the late twenties."(26) We must also look from another angle at all these trends and the secular efforts to control the symptoms of their problems. In 1998, the US federal welfare reform act, (P.L. 104-193), added a new formula grant program (Sec. 510) to Title V of the Social Security Act, which included $50 million for abstinence education. The state governments are supposed to have matching grants for providing "abstinence education." The same education becomes "obscurantism," "orthodoxy," "mediaeval" and against "modern" human rights when provided from the Qur'anic perspective. Now the Bush administration has proposed a dramatic increase to the level of 135 million dollars in federal spending for abstinence-only sexuality education. The administration claims that this funding increase will achieve "parity" between what the federal government spends on teen family planning medical services and on abstinence-only education. On December 12, 2001, a new Family Life Education Act (H.R. 3469) was introduced in the Congress. "FLEA," would provide $100 million for comprehensive in-school sexuality education programs for each of the fiscal years 2003 through 2007. In January 2002, more funds were demanded for abstinence-unless-married education. Many other efforts are underway to teach students and communities that sex outside of wedlock is physically, emotionally, and spiritually dangerous. The curriculum includes sections on "good touch versus bad touch" and refusal skills. Imagine the outroars of the human rights activists if the Taliban were producing such manuals based on the Islamic principles. It is interesting to note that the results of all such secular efforts to deal with the symptoms of unbridled modernism have clearly failed. The question is: why shall the human beings be allowed to go to an extent from where a return becomes impossible? For nipping the above-mentioned evils in the bud, why not have a simple Islamic solution of separate educational, health, social and economic institutions for men and women to avoid the fruitless hassles and crying over the split milk. For instance, that fact that rape and sexual assault are not crimes that usually occur in dark alleys or in